ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

مارچ ۱۹۸۸ء

اپنے دانتوں کو مزے سے صاف کیجئے

Crystal

سانس خوشگوار، دانت چمکدار

کرسٹل کے تین ذائقے، تینوں مزے دار کرسٹل ریڈ جیل میں چیری، گرین جیل میں منٹ اور کرسٹل وہائٹ میں منٹ فریش۔

کرسٹل سے برش کیجئے، ٹوتھ پیسٹ کا مزا لیجئے دانت ہمیشہ صاف، چمکدار اور کیڑا لگنے سے محفوظ۔

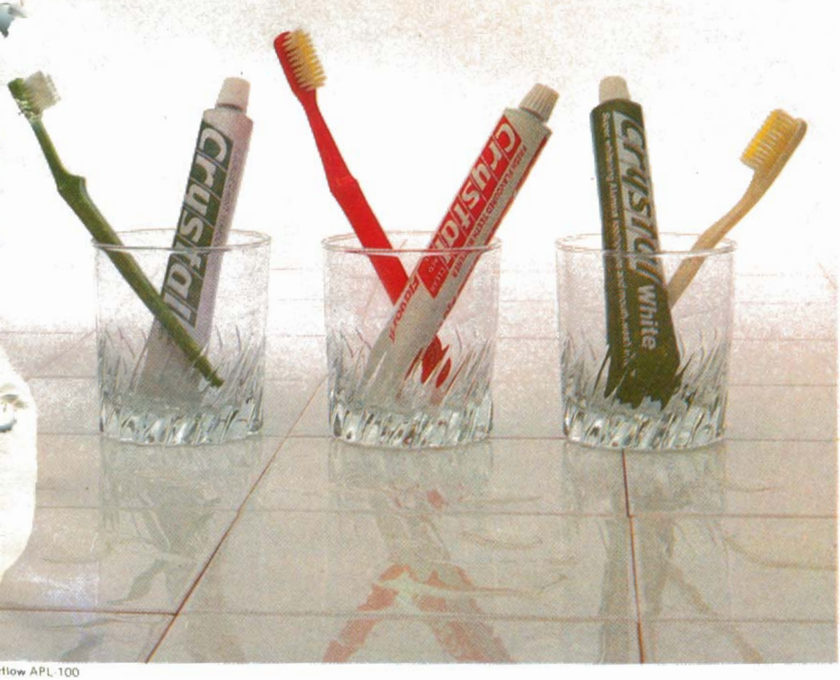

artlow APL-100

ماہنامہ آنکھ مچولی کراچی

سرپرست ڈاکٹر ابواللیث صدّیقی
مُدیرِ اعلیٰ ظفر محمود شیخ
مُدیرِ مسئول تجمّل حسین چشتی
مشاورت مشفق خواجہ، امجد اسلام امجد
مُدیرِ اعزازی طاہر مسعود
مُشیرِ ادارت محمّد سلیم مُغل
قانونی مشیر (اعزازی) خواجہ عدیل احمد
ناظمِ اشتہارات طارق ظفر برنی
خطّاط رئیس الحسن، عارف سعید

جلد نمبر ۲
شُمارہ نمبر ۹
مارچ ۱۹۸۸ء
رجب المرجّب ۱۴۰۸ھ
قیمت ——— پانچ روپے

زرِ سالانہ کے لئے خصوصی
بچت اسکیم کا صفحہ دیکھیے!

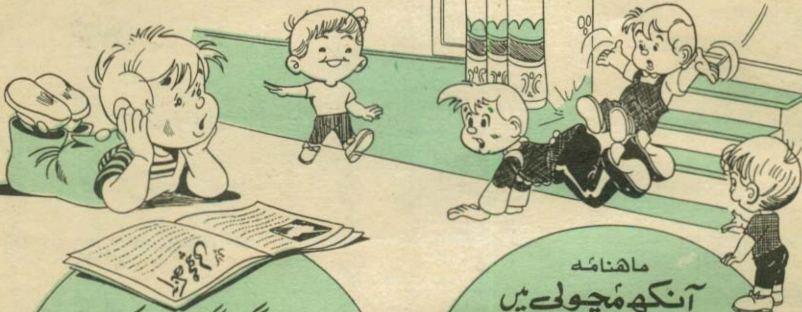

گرین گائیڈ اکیڈمی
ادارہ اِشاعت برائے
تعلیم و تعمیرِ سیرتِ اطفال
زیرِ سرپرستی
ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن

ماہنامہ
آنکھ مچولی میں
شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جُملہ حقوق
بحق ادارہ محفوظ ہیں، پیشگی
اجازت کے بغیر کوئی تحریر
شائع نہیں کی جاسکتی

ماہنامہ
آنکھ مچولی
میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث
پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و
واقعات فرضی ہیں، کسی اتفاقیہ
مماثلت کی صورت میں
ادارہ ذمہ دار
نہ ہوگا۔

گرین
گائیڈ اکیڈمی
برائے خط و کتابت ۱۱۲-ڈی، نورس روڈ
و مقامِ اِشاعت سائٹ، کراچی

ناشر
ظفر محمود شیخ
طابع - زاہد علی ، مطبع - لاریب
پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ، کراچی

حسنِ ترتیب

اداریہ	۵	۵۲	تلاش (سلسلے وار ناول) ترجمہ آصف فرخی
اچھی بات	۶	۶۱	لذیذدار لطیفے (لطائف)
نعت — امجد اسلام امجد	۷	۶۴	بچپن کے نقوش (نظم) محشر بدایونی
ڈاک ڈاک کس کی ڈاک (خطوط کے جوابات)	۸	۶۶	پیٹرک اور بنجامن، جن کے سر جڑے ہوئے ہیں، شین فاروقی
اس ماہ کا نام کیسے پڑا؟ محمد اسلم شیخوپوری	۱۱	۷۱	گوریلے کی محبت (ہے نا حیرت کی بات) طارق شمیم
دریچہ (کالم) طاہر مسعود	۱۲	۷۲	بدلہ (ڈرامہ) رضیہ فصیح احمد
آزادی محمد جاوید خالد	۱۳	۸۳	پیار کا جادو قرۃ العین سلیم
ہجرت کی کہانی (نظم) قتیل شفائی	۱۹	۸۶	انکل آئی کیو روبوٹ (سائنسی سوال جواب)
لوہنیس کا دیو شاہ نواز فاروقی	۲۱	۹۱	آنکھ مچولی گشتی ٹرافی الف، شین خان
سائنسدان گھرانہ سید خورشید عالم	۲۵	۹۵	روشن روشنی ایاز احمد فریدی
نپولین اور درزی ذیشان بن صفدر	۲۹	۹۹	منصوبہ ظفر احمد خان
پاکستان کیوں بنا؟ ابنِ شہباز خان	۳۳	۱۰۳	دائرۂ معلومات (انعامی مقابلہ)
پہلا قتل (قرآنی کہانی)	۴۳	۱۰۹	نئی تحریریں (نئے لکھنے والے)
کارٹون خواجہ عامر علی	۴۶	۱۱۶	آؤ ملائیں ہاتھ (قلمی دوستی)
جعلی حکیم ابو اسماء	۴۷	۱۱۸	امّی ابّو کا صفحہ مظفر بیگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موسموں کی بہت سی قسمیں ہوتی ہیں۔ بہار اور خزاں کا موسم —— جاڑا، گرمی اور برسات کا موسم —— ایک موسم امتحان کا بھی تو ہوتا ہے۔ یہ سب سے کڑا موسم ہوتا ہے۔ جو اپنے ساتھ طرح طرح کے خوف اور پریشانیاں لے کر آتا ہے۔ خوف امتحان سے زیادہ امتحان کے نتیجے کا ہوتا ہے۔ پریشانی اس بات کی ہوتی ہے کہ امتحان میں فیل ہو گئے تو کیا ہوگا؟ ابّو سے ڈانٹ پڑے گی، امی خفا ہوں گی، اساتذہ کیا سوچیں گے؟ دوست مذاق اڑائیں گے —— یہ اور اسی طرح کی بہت سی پریشانیاں، بہت سی تشویش۔ ہاں مگر آپ نے اس قسم کی پریشانی میں ان ساتھیوں کو بھی مبتلا پایا ہے جو سال بھر اپنی پڑھائی میں باقاعدہ رہتے ہیں؟ یقیناً نہیں —— کیونکہ جب امتحان کا زمانہ آتا ہے تو ان کی تیاری مکمل ہوتی ہے اور وہ نہایت اعتماد سے امتحان میں شریک ہوتے ہیں —— اس کے برعکس ایسے ساتھی جو سارا سال یہ سوچ کر کھیل کود میں ضائع کر دیتے ہیں کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ وہ عین امتحان کے دنوں میں بھی ٹھیک طریقے سے نہیں پڑھ پاتے۔ ظاہر ہے پڑھیں بھی کیسے ایک دم پڑھائی کا اتنا سارا بوجھ جو سر پر آ پڑتا ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ صرف امتحان کے دنوں میں پڑھنے والے ساتھی سمجھ کر پڑھنے کے بجائے رٹنے پر زور دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سوالات عام ڈگر سے ہٹ کر پوچھ لیے جائیں تو پھر جواب بن نہیں پڑتا اور پھر امتحان ختم ہوتے ہی ایسے ساتھی سارا لکھا پڑھا بھول جاتے ہیں۔ لہٰذا ایسی پڑھائی کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ جو کسی نے کہا ہے نا کہ علم تو اصل میں وہی ہے جو آدمی کے حافظے میں محفوظ رہ جائے۔ اور حافظے میں وہی علم محفوظ رہتا ہے جسے سمجھ کر ذہن نشین کیا گیا ہو۔ ایسا علم ساری زندگی ساتھ دیتا ہے۔

ہمارے اردگرد بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور لکھنے پڑھنے کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتی ہیں۔ مثلاً ٹی وی، وی سی آر، کھیل کود کی دلچسپیاں، دوستوں سے گپ شپ۔ جن گھرانوں میں والدین اپنے بچّوں کو کسی ڈسپلن کا پابند نہیں بناتے۔ وہ موقع اور موڈ کے اعتبار سے اِدھر اُدھر کے مشاغل میں وقت کھو دیتے ہیں۔ لہٰذا والدین کو اور خود ساتھیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کو نظم و ضبط کا پابند بنائیں —— اگر وہ ترتیب و سلیقہ کے ساتھ زندگی گزاریں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ امتحان کے زمانے میں وہ امتحان کے ملتوی ہو جانے کی دعائیں مانگنے کے بجائے یہ دُعا مانگیں گے کہ امتحان جلد از جلد ہو تاکہ انھوں نے جو کچھ سیکھا اور جانا ہے اس کی جانچ اور پرکھ ہو سکے۔

اچھی بات

پُرانے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جو بہت آرام پسند اور سُست تھا۔ اُس نے سیر کے لیے بہت سے باغ اور پھولوں کے درخت لگوائے تھے۔ کتنے ہی نوکر ہر وقت اس کے دروازے پر موجود رہتے۔ محل میں خدمت کے لیے بہت سی خادمائیں مقرر تھیں۔ دوپہر کو آرام کرنے اور رات کو سونے کے لیے خاص پلنگ تھے جن پر ہر روز ڈھیروں پھول سجائے جاتے۔

ایک دفعہ دوپہر کے آرام کے لیے مالی نے تازہ پھول لاکر بادشاہ کے پلنگ کو خوب سجایا۔ عطر اور پھولوں کی خوشبو نے بہار کا سماں پیدا کر دیا۔ اتفاقاً ایک خادم گھومتا ہُوا ادھر آنکلا گرمی کے دن تھے اور سخت گرم ہوا چل رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ بادشاہ سلامت کے آنے میں ابھی دیر ہے۔ وہ تو روز ایسے بستر پر سوتا ہے کیوں نہ آج تھوڑی دیر کے لیے میں بھی ایسے سجے ہوئے بستر کا مزہ لے لُوں۔ بادشاہ کے آنے سے پہلے اُٹھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر پلنگ پر لیٹ گیا۔ کمرے کی ٹھنڈک اور خوشبو کی وجہ سے وہ جلد ہی گہری نیند سو گیا۔

بادشاہ جب آرام کرنے آیا تو ایک خادم کو اپنے پلنگ پر سوتا دیکھ کر آگ بگولہ ہوگیا اور حکم دیا کہ اس خادم کو کوڑوں سے مارا جائے تاکہ اوروں کو بھی عبرت ہو۔ کوڑے پڑتے ہی خادم جاگ گیا اور روتے ہوئے بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کیا: "اے میرے آقا! پہلے میری عرض سُن لیں اس کے بعد جو چاہیں سزا دیں۔" بادشاہ کو اس کی آہ و پکار پر رحم آگیا اور اُسے کہنے کی اجازت دے دی۔ خادم نے کہا: "اے بادشاہ سلامت! میں تو فقط ایک روز کچھ دیر کے لیے اس پھولوں کے پلنگ پر سویا ہوں تو میرا یہ حال ہو رہا ہے مگر آپ تو ہر روز بلکہ کتنی ہی بار ایسے پلنگوں پر سوتے ہیں، خبر نہیں آپ کا مالک (خدا) آپ کو کیا سزا دے گا۔" یہ بات سُن کر بادشاہ کانپ اُٹھا۔

کہتے ہیں اُس دِن کے بعد وہ کبھی پھولوں پر نہیں سویا، اپنے گناہوں سے توبہ کر لی، ہمیشہ عبادت میں مشغول رہتا اور اپنی رعایا سے پورا انصاف کرتا۔

نعت

امجد اسلام امجد

رحمتوں کا جزیرہ ہمارے نبیؐ
روشنی ہیں سراپا ہمارے نبیؐ
امن کی ہر گلی اُن کے قدموں میں ہے
رُوح کی ہر خوشی اُن کے لفظوں میں ہے
منزلوں کا ستارا ہمارے نبیؐ
روشنی ہیں سراپا ہمارے نبیؐ
جتنے کمزور ہیں ان کی طاقت ہیں وہ
سر سے پاؤں تلک بس محبت ہیں وہ
ہر گذر کا ہیں دریا ہمارے نبیؐ
روشنی ہیں سراپا ہمارے نبیؐ
آدمی، وادیاں، دشت، دریا، شجر
اُن کی رحمت کا سایہ ہے ہر چیز پر
ہر بھنور میں کنارا ہمارے نبیؐ
روشنی ہیں سراپا ہمارے نبیؐ

ڈاک ڈاک

کس کی ڈاک

شفیق الرحمٰن کمالکھی۔ مہاولپور پیارے کھاکھی صاحب، لیجیے آپ کے غریب اور بیچارے خط کا جواب حاضر ہے۔ آئندہ آپ خط لکھیں تو خط کو اتنا بیچارا نہ بنائیں کہ پڑھ کر آنکھیں اشکبار ہو جائیں۔ کوئی بات خط میں ایسی ضرور لکھنی چاہیئے جس کا جواب دیا جا سکے۔ آنکھ مچولی کی پسندیدگی کا شکریہ۔

شرجیل احسان۔ رسالپور کینٹ بھئی آپ کے مطالعے کی وسعت کی داد دینی پڑے گی۔ "پناہ" کے متعلق آپ نے بالکل صحیح نشاندہی کی ہے۔ اسی لیے ہم نے اُسے جلد ختم کر دیا۔ آنکھ مچولی میں اپنا نام غلط چھپ جانے پر آپ خفا نہ ہوں، رسائل و اخبارات میں اس طرح کی غلطیاں اکثر ہو جاتی ہیں کیونکہ یہاں بھی انسان ہی کام کرتے ہیں۔ خدا آپ کو نئے سال کی کامیابیاں نصیب کرے

خالدجاوید۔ راولپنڈی آپ نے اپنی عمر بیالیس سال بتائی ہے اس لحاظ سے ہماری اس بزم کے آپ بزرگ ٹھہرے۔ ہم اپنے ساتھیوں کی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ بچوں کے رسائل اور اخبارات میں بچوں کے صفحات میں جس قسم کا ادب پیش کیا جا رہا ہے اس پر آپ کی تنقید بالکل بجا ہے۔ "شکریہ" کہ آپ نے آنکھ مچولی کو ایسے رسائل کی صف سے باہر رکھا اور اس کی خدمات کا برملا اعتراف کیا۔ آئندہ بھی ہمیں آپ کی رہنمائی اور مشوروں کی ضرورت رہے گی۔

خالد منصور پراچہ۔ کوہاٹ اسکواش کے عظیم کھلاڑی جان شیر خان سے آپ کی محبت و عقیدت سر آنکھوں پر۔ ہر ایسی ہستی ہمیں عزیز ہونی چاہیئے جو ملک کا نام روشن کرے۔ جان شیر خان کو آپ پی آئی اے اسکواش کمپلیکس کی معرفت خط لکھ سکتے ہیں۔

سید حبیب علی زیدی۔ شیر شاہ کراچی آپ نے گلہ کیا ہے کہ آخر نئے لکھنے والے اپنی خراب کہانیاں کس رسالے میں بھیجیں۔ کوئی رسالہ ان کی ہمت افزائی نہیں کرتا۔ یا تو نقل کا ٹریڈ مارک لگا دیتے ہیں یا پھر کہانی بوگس ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر نئے لکھنے والے کو ابتدا میں انہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر رسالے والے خراب کہانیاں شائع کرنے لگیں تو پھر آپ ہی لوگوں کو شکایت ہوگی۔ اس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ آپ کہانی لکھنے کے بعد کسی سے اصلاح کرا لیا کریں اور ہمت نہ ہاریں۔ لکھنے کی مسلسل مشق کے بعد ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب رسائل کے مدیر خود آپ سے کہانی کی فرمائش کیا کریں گے۔

جاوید احمد، زاہد محمود، مقصود احمد کیا آپ لوگوں کو کسی نے ہمارے بارے میں گمراہ کر دیا ہے۔ بھئی آپ کے جوابات درست ہوں گے تو آپ کے نام لازماً چھپیں گے اور ساتھ ہی تصویر بھی۔ مطمئن رہیئے!

سید علی ذوالقرنین جگنو۔ ضلع مظفر گڑھ کہانی آپ نے بے حد محنت اور خلوص سے لکھی ہے۔ لیکن لکھنے کے لیے اتنا ہی تو کافی نہیں ہوتا۔ بھئی اس کے لیے بہت پڑھنا پڑھتا ہے پھر اس کے علاوہ املا درست ہونا چاہیئے۔ انشا درست ہونا چاہیے۔ بھلا کیا سمجھے آپ!

امان اللہ میمن۔ میر پور خاص اللہ اللہ، اتنی زبردست دھمکی، بھئی یہ غضب نہ کیجیئے گا کہ آئندہ خط لکھنا ہی چھوڑ دیں۔ قلمی دوستی کے لیے ہر ماہ سینکڑوں کوپن موصول ہوتے ہیں۔ اس کے لیے اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ آپ بھی کیجئے۔ لیکن خط لکھتے رہیئے۔ انعام کے سلسلے میں عرض ہے کہ چونکہ آپ کا خط نہیں ملا تھا۔ اس لیے آپ کو انعام نہیں بھیجا گیا۔

سلمیٰ رحمٰن، بورے والہ ضلع وہاڑی یقیناً آپ گھر کے کام کاج چھوڑ کر "آنکھ مچولی" پڑھتی ہیں۔ جبھی تو امی سے ڈانٹ پڑتی ہے۔ اپنا یہ پیارا اور پسندیدہ رسالہ آپ صرف اس وقت پڑھا کریں جب آپ کو اسکول اور گھر کے کام سے فرصت مل جائے۔ آپ کی تحریر کے بارے میں فیصلہ جلد ہی کر دیا جائے گا۔

مبشر مرتضیٰ۔ راولپنڈی آپ کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ کہانیاں لکھ لکھ کے تھک گئے ہیں لیکن وہ چھپتی نہیں ہیں۔ دیکھئے ہم بھی جب چھوٹے تھے تو بہت دنوں تک ہماری بھی تحریریں رسالے والے نہیں چھاپتے تھے لیکن ہم نے اس کا ذرہ برابر بھی اثر قبول نہیں کیا۔ آپ بھی اسی طریقہ کار کو اپنایئے۔ انشاءاللہ جلد ہی مایوسی دور ہو جائے گی۔

محمد بشیر، صرافہ بازار کراچی: اللہ کا شکر ہے، ہماری طبیعت بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ خدا کرے آپ کے چھوٹے اور بڑے بھائی جان اب تک صحت یاب ہو چکے ہوں۔ آپ کی تحریر قابلِ اشاعت ہوئی تو اسے چھپنے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

طاہر محمود، ملتان: بھئی آپ کی تجاویز بے حد عمدہ ہیں اور بھلا آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم ان تجاویز پر بُرا مان جائیں گے۔ رسالے کو بہتر بنانے کے لیے ہم ہر اچھی تجویز کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ سائنسی سوال و جواب کا کالم "انکل آئی کیو روبوٹ" کی صورت میں پہلے سے موجود ہے۔ بقیہ تجاویز زیرِ غور ہیں۔

محمد مبیل، موتن: "آنکھ مچولی" پر ہم اس لیے بھی محنت کرتے ہیں کہ اسے آپ جیسے ذہین قاری پڑھتے ہیں۔ پاکستان میں ایجاد ہونے والی چیزوں کے بارے میں اگر آپ کوئی مضمون ارسال کریں تو ہم اسے ضرور شائع کریں گے۔ جو نظمیں آپ نے لکھی ہیں اسے پہلی فرصت میں بھیج دیجیے اور ہاں خط میں اپنے نام کے ساتھ شہر کا نام لکھنا آئندہ نہ بھولیے گا۔

عابد حسین رندھاوا، سانگھڑ: بھئی "مزیدار لطیفے" کو مزید مزیدار بنانے کے لیے اسے "لذیذار لطیفے" لکھا جاتا ہے۔ اگر آپ کو یہ عنوان پسند نہیں تو کوئی اچھا سا عنوان خود ہی تجویز کر دیجیے ہم اسے تبدیل کر دیں گے۔

محمد اختر کوبر، عصمت اللہ کوبر، محمد اکمل کوبر، سیف اللہ کوبر، صادق آباد: یوں تو آپ نے نہ کوئی گلہ کیا ہے نہ شکوہ لیکن جو سوال پوچھا ہے اس سے آپ لوگوں کی ناراضگی جھلکی پڑ رہی ہے۔ بھئی کتنی بار ہم ان ہی صفحات پر لکھ چکے ہیں کہ "آنکھ مچولی" پاکستان کے سارے شہروں کے بچوں کا اپنا رسالہ ہے۔ مثال کے طور پر یہی دیکھیے کہ ان صفحات پر جن خطوط کے جوابات دیئے جا رہے ہیں وہ ملک بھر سے موصول ہوئے ہیں۔ کسی تحریر کو چھاپنے کی صرف ایک ہی شرط ہوتی ہے کہ وہ کتنی معیاری ہے۔ معیار سے گری ہوئی تحریر کہیں سے بھی موصول ہو، اشاعت سے محروم رہتی ہے۔ لہٰذا کوئی چیز بھیجنے سے پہلے اپنے آپ سے سوال کیا کریں کہ کیا یہ تحریر واقعی قابلِ اشاعت ہے؟

سہیل صدیق، گوجرانوالہ: عیسوی کیلنڈر کا تحفہ دینے پر آپ کا اعتراض بجا ہے۔ لیکن آپ خدا لگتی کہیئے کہ اگر ہم اسلامی کیلنڈر کا تحفہ دیتے تو کیا یہ آپ لوگوں کے لیے مفید رہتا؟ جبکہ اسکولوں کے کھلنے بند ہونے سے لے کر زندگی کے سارے معاملات عیسوی کیلنڈر کے مطابق چل رہے ہوں۔ جنوری کے اداریے میں ایک صورتحال کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اس کے ذمہ دار ہم سب ہیں۔

حامد علی شاہد، ڈوہ، ضلع چکوال: جنوری کے ٹائٹل کا بچہ واقعی بڑا شرارتی تھا ہر ایک کو منہ چڑاتا تھا۔ اگر کہیں آپ کی اس سے ملاقات ہو جائے تو ضرور گوشمالی کیجیے گا۔ "قہقہہ نمبر" جلد ہی منظرِ عام پر آ جائے گا۔ اور "جلد ہی" کا مطلب تو آپ خوب سمجھتے ہوں گے۔

عذرا رشید، ناتھا خان گوٹھ، کراچی: "قاتل کی تلاش" بھئی آپ نے اپنی کہانی کا نام تو بڑا خوفناک رکھا ہے۔ خیر بھیج دیجئے، پڑھ کر ہی فیصلہ کریں گے کہ قاتل کیسا ہے؟ اور اس کا تلاش کیا جانا ضروری بھی ہے یا نہیں۔ آپ کی نظم مسوّدات کے فائل کی زینت بن گئی ہے۔ انتظار فرمائیے!

مبشر طفیل احمد، تلک چاڑی، حیدرآباد: کبھی کبھی تو ہم خاصے کنفیوز ہو جاتے ہیں۔ ایک ساتھی کو شکایت ہے کہ آنکھ مچولی میں کہانیاں کم ہوتی ہیں آپ لکھ رہے ہیں کہ کہانیاں بہت زیادہ ہیں اسے کم کیجیے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ ہم کیا کریں۔ امجد اسلام امجد صاحب سے آپ کی طرف سے کہانی کی فرمائش کر دی جائے گی۔ دیکھیے وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔

ظفر اقبال: اپنے شہر کا نام تو آپ نے چھپا لیا ہے۔ اب خود بھی چھپنے کی تیاری کر رہے ہیں؟ بھئی اتنی جلدی مایوس نہیں ہوتے۔ خط کے جواب میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ اور خدانخواستہ آپ سے ہمیں کیوں دشمنی ہونے لگی۔ کمال کرتے ہیں آپ بھی۔

رضیہ الیاس، فیصل آباد: آپ کے بھائی جان بالکل صحیح کہتے ہیں۔ لکھنے والے کو ایک ہی مرتبہ لکھ کر کبھی مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ کی کہانی اگر آج نہیں چھپی تو کبھی تو چھپے گی مسلسل لکھتی رہیئے۔ بغیر جھکے، بغیر مایوس ہوئے۔

محمد ندیم لطیف، سیالکوٹ: بھئی آنکھ مچولی پڑھنے کے لیے آپ کے دوستوں کی شرط بھی عجیب ہے۔ ان سے کہئے کہ آپ لوگ پہلے آنکھ مچولی پڑھنا شروع کر دیں پھر خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کی کہانی اس میں چھپنی چاہیئے یا نہیں۔ آنکھ مچولی کو بے غرض دوستوں کی تلاش ہے کیا آپ کے دوست ایسے ہیں؟

شیخ عبدالغفار، میانوالی: اگر آنکھ مچولی پڑھنے کے سلسلے میں آپ کا ارادہ نیک اور جذبہ صادق ہے تو "غربت" رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ دنیا کے اکثر بڑے لوگ غریب تھے۔ لیکن انھوں نے کبھی اس کی پروا نہیں کی۔ جبھی وہ ایک دن بڑے بنے۔ اگر آپ دس — روپے کا منی آرڈر بھجوا دیں تو زادِ راہ نما آپ کو ارسال کر دی جائے گی۔

عابس راجہ، میرپور، آزاد کشمیر: پتہ نہیں آپ سے کس نے کہہ دیا کہ ہم خوشامد پسند ہیں اور بغیر تعریف و توصیف کے کسی کی کہانی نہیں چھاپتے۔ بھئی کہانی اچھی ہوگی تو آئندہ کہانیاں لکھوانے کے لیے ہم خود آپ کی خوشامد کیا کریں گے۔ اتنی دور سے یاد کرنے کا شکریہ۔

عبدالواحد، سعود آباد، کراچی: عام شمارے کے صفحات اگر کم ہیں تو رسالے کی قیمت بھی تو کم ہے۔ "قہقہہ نمبر" کی تیاری زوروں پر ہے۔ انتظار فرمائیے۔ ہاں اس شمارے کے صفحات عام شمارے سے زیادہ ہوں گے۔ آپ کو اپنی نظم کی اشاعت کے لیے صدیوں تک انتظار کی زحمت نہیں اُٹھانی ہوگی اگر قابلِ اشاعت ہوئی تو کسی شمارے میں چھپی ہوئی نظر آ جائے گی۔

محمد ناصر خان بلوچ، اوکاڑہ: آپ اپنے خط سے تو بالکل "شہری بابو" لگتے ہیں۔ آپ نے خود کو دیہاتی کیسے قرار دے دیا۔ آپ کے ارسال کردہ لطائف چھپتے ہوئے تو نظر دیکھ پائیں گے۔

مرتضیٰ علی خان، پی ای سی ایچ، کراچی: "حق اسکواڈ" کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اخلاق احمد صاحب لکھتے لکھتے تھک گئے تھے۔ ہم نے سوچا کہ شاید آپ لوگ بھی پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوں۔ لہٰذا انھیں کچھ دنوں کے لیے سستانے کا موقع دیا گیا ہے۔ جلد ہی "حق اسکواڈ" اپنے کارناموں کے ساتھ آپ کے درمیان ہوگا۔

عابد رضا ناز۔ گوجرانوالہ رضیہ بٹ صاحبہ ہمارے ملک کی معروف مصنفہ ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب "عظمت" آنکھ مچولی کی خصوصی فرمائش پر لکھی تھی۔ اگر ہمیں اپنی کہانی بھیجنے کے بعد انھوں نے معمولی ترمیم کے ساتھ بڑوں کے رسالے میں چھپوادی تو بھلا اس میں ہمارا کیا قصور؟

راشدہ محبوب۔ ناظم آباد کراچی۔ بھئی ایسی بھی کیا عجلت۔ ذرا صبر کیجئے۔ آپ کی تحریر شعبۂ ادارت میں ہے۔ اگر وہاں سے بچ نکلی تو "قہقہہ نمبر" میں اپنا جلوہ دکھائے گی۔

محمّد رضوان۔ اورنگی ٹاؤن۔ کراچی۔ کیسی پیاری پیاری تجاویز بھیجی ہیں آپ نے۔ ان پر ہم غور کر رہے ہیں۔ مگر یہ تو بتائیے کہ آپ نے ہر تجویز کے ساتھ انعام دینے کی شرط کیوں رکھی ہے؟

شفیق احمد طاہر۔ جھنگ صدر ہماری بھلا کیا مجال کہ آپ کے خط کو کان سے پکڑ کر ردی کی ٹوکری میں دھکیل دیں جبکہ آپ نے اتنے اچھے مشورے دیے ہوں۔ "دائرہ معلومات" ابتدا میں تو مشکل تھا اب تو آسان ہو گیا ہے۔ خطوط اگر ہم چھاپنے لگیں تو پھر جوابات چھاپنا ممکن نہ ہوگا۔ اور جواب نہیں چھپیں گے تو پھر آپ ہی لوگوں کو شکایت ہوگی۔

مولا بخش، محمّد اعظم، بلوچ ابراہیم گوٹھ۔ کراچی آپ خط لکھنے کے لیے گھنٹوں سوچتے ہیں پھر پیسے خرچ کر کے خط روانہ کرتے ہیں اور ہماری بے نیازی کہ ہم خط کا جواب نہیں دیتے۔ اس لیے آپ خفا ہو گئے۔ میرے عزیز! جس خط میں کوئی جواب طلب بات ہی نہ ہو اس کا کیا جواب دیا جائے۔ صرف اتنا سا کہ "آپ کا خط ملا، بہت بہت شکریہ" چلئے اب تو غصہ تھوک دیجئے اور جب خط لکھیے تو نیک مشورے دینا نہ بھولیے۔

کھتری محمّد رفیق راجی۔ حیدرآباد آخر کار آپ کو آنکھ مچولی نے اپنا گرویدہ بنا ہی لیا۔ ہماری خواہش اور کوشش یہی رہتی ہے کہ آنکھ مچولی میں وہ سب کچھ ہو جو بچّے چاہتے ہوں جو بچّوں کی ضرورت ہو۔

علی مرتضیٰ۔ نارتھ کراچی۔ کراچی آنکھ مچولی پر تفصیل اور بے لاگ تبصرہ پسند آیا۔ اب اس تبصرے پر ہم کیا تبصرہ کریں۔ آپ کی سلسلہ وار کہانی "احساس" یقیناً آپ تک پہنچ چکی ہوگی۔

شوکت جاوید کیماڑی کراچی۔ آپ اپنی کہانی شوق سے دوبارہ ارسال کریں، ہم شکریے کے ساتھ اسے قبول کریں گے۔ جنوری کے شمارے میں آپ کو تھوڑی سی بوریت ہوئی لیکن آپ نے اس بوریت کی نشاندہی نہیں کی۔

اُمِّ کلثوم۔ گوجرانوالہ آپ کی تجویز کے مطابق اگر قابلِ اشاعت اور ناقابلِ اشاعت مضامین کی فہرست شائع کی جائے تو یقین مانیئے اس کے بعد رسالے میں کچھ اور چھاپنے کی گنجائش ہی نہ ہوگی۔ آپ اپنی نگارشات سنجیدگی سے بھیجیں یا مذاق سے... لیکن بھیجیں ضرور۔

نسیم حسن اعوان۔ راولپنڈی آنکھ مچولی ایبٹ آباد سمیت ملک کے تمام شہروں میں جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہاں بچّے ہیں وہاں آنکھ مچولی ہے۔ "دل پسند مشغلہ" کی تجویز ابھی "زیرِ غور" کی لیبارٹری میں ہے۔

محمّد پرویز آرٹس۔ لاہور بھئی آپ کی تحریریں مل گئیں۔ "اکبری لوٹا" تو اتنی دلچسپ تحریر ہے کہ ہمیں ابھی تک یقین نہیں آیا کہ یہ آپ ہی نے لکھی ہے۔ ہمیں آپ اپنی اور تحریریں بھی ارسال کریں اور ہاں اتنے دیدہ زیب لیٹر پیڈ پر خط لکھ کر آپ نے جی خوش کر دیا۔

عبدالرزاق عثمان گھاس منڈی کراچی آپ اپنی تحریر بھیجتے وقت پچھلی بھیجی ہوئی تحریروں کو یاد نہ کیا کریں جو چیز چھپنے والی ہوگی وہ ہر صورت میں چھپے گی۔ "قہقہہ نمبر" کی قیمت عام شمارے سے زیادہ ہوگی۔ مگر صرف قیمت ہی نہیں صفحات بھی زیادہ ہوں گے پڑھنے میں مزہ بھی زیادہ آئے گا۔

بوجھو تو !!

مرسلہ بمیر عبدالعزیز، لاہور۔

میرے نام کا پہلا حرف کتاب میں ہے، قلم میں نہیں۔
میرے نام کا پہلا حرف ماں میں ہے، باپ میں نہیں۔
میرے نام کا تیسرا حرف پاکستان میں ہے، افغانستان میں نہیں۔
میرے نام کا چوتھا حرف یکّہ میں ہے، تانگہ میں نہیں۔
میرے نام کا پانچواں حرف ورق میں ہے، کاغذ میں نہیں۔
میرے نام کا چھٹا حرف ٹوپی میں ہے، کیپ میں نہیں۔
میرے نام کا ساتواں اور آخری حروف ریت میں ہے، مٹّی میں نہیں۔
میں اس صدی کی ایک اہم ایجاد ہوں میں کارآمد چیز ہوں۔ بوجھیئے تو میں کون ہوں۔؟ (کمپیوٹر)

اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟

محمد اسلم شیخوپوری

رجب المرجّب

اسلامی سال کا ساتواں مہینہ ہے۔ رجب کے معنیٰ ہیں "تعظیم"۔ چونکہ یہ مہینہ عزّت وعظمت والا ہے۔ اس لیے اسے رجب کہا جاتا ہے۔ اس مہینے کی ستائیسویں ۲۷ کو حضورؐ کو جسمِ مبارک کے ساتھ معراج ہوئی یعنی آپؐ فرشتوں کے ساتھ مکّہ معظمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر پہنچے آپ کو جنّت اور دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی عجیب وغریب نشانیاں دکھائی گئیں اور اُمّت کے لیے آپؐ کو پانچ نمازوں کا تحفہ ملا۔ اس ماہ کی چار تاریخ کو ۶۰ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کا انتقال ہُوا۔ وہ حضورؐ کے صحابی تھے اور ان کی بہن حضورؐ کے نکاح میں تھیں۔ بعض اوقات حضورؐ پر وحی نازل ہوتی تو اُسے لکھنے کے لیے آپؐ امیر معاویہؓ کو کہتے تھے۔ اِس لیے ان کو کاتبِ وحی بھی کہا جاتا ہے۔ ۲۱ رجب ۱۰۱ھ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فوت ہوئے۔ خلفائے راشدین کے بعد ان کے دورِ حکومت کو اسلامی تاریخ کا مثالی دور کہا جاتا ہے۔

دریچہ

طاہر مسعود

"بھائی جان کی دکان" سے اکثر میں سودا سلف خریدتا ہوں ۔ اس دکان کا نام یہی ہے ۔ سبھی اسے بھائی جان کی دکان کہتے ہیں ۔ اگلے روز میں مچھر بھگانے والی جلیبی (کوائل) خریدنے وہاں پہنچا ۔ بھائی جان کسی گاہک کا حساب بنانے میں مگن تھے ۔ قریب ہی ایک سات آٹھ سال کی عمر کا بچّہ بھی کھڑا تھا ۔ اس کی انگلیوں میں ایک چونّی تھی ۔ بھائی جان کو فرصت ہوئی تو بچّے نے اسی چونّی کے عوض ٹافیوں کا ایک چھوٹا سا ڈبّہ خریدنا چاہا ۔ بھائی جان نے نہایت تیز لہجے میں کہا " بھاگ جاؤ ۔ اس کی قیمت ڈیڑھ روپے ہے ۔" بچّے نے معصومیت سے کہا " باقی پیسے میں پھر دے دُوں گا ۔"

بھائی جان بولے " دھندے کا ٹائم ہے ، دماغ مت چاٹو ، چلو بھاگو یہاں سے ۔" بچّے نے چونّی مُٹھی میں دبائی اور خاموشی سے وہاں سے کھِسک گیا ۔

اس قسم کے مناظر میں اکثر دیکھتا ہوں ۔ والدین یا بڑے بھائی بہن کسی بات پہ خوش ہو کے بچّوں کو بطورِ انعام چونّی یا اٹھنّی تھما دیتے ہیں اور یہ بچّے دوڑتے بھاگتے دکان پہ پہنچتے ہیں اور اپنی من پسند چیز خریدنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ لیکن وہاں اُنھیں پتا چلتا ہے کہ اُن کی من پسند چیز اب بھی اُن کی پہنچ سے باہر ہے ۔ یہ بے حد اُداس کر دینے والا منظر ہوتا ہے ۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بہت سے لوگوں کو ابھی تک یہی نہیں معلوم کہ بچّوں سے گفتگو کس طرح کرتے ہیں ؟ بچّوں کی جانی انجانی غلطیوں پر ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے اور ان کے ننھے اور نازک دل کو توڑ دیا جاتا ہے ۔ حد تو یہ ہے کہ مسجدوں میں جمعے کی نماز میں نیت باندھ کر کھڑے بچّوں کو آخری صف میں دھکیل دیا جاتا ہے اور یہ بچّے اگر مسجد کے صحن میں دوڑ بھاگ کر رہے ہوں تو انھیں نرمی یا شفقت سے سمجھانے کے بجائے ان پر ڈانٹ پھٹکار کی جاتی ہے اور اکثر دو چار ہاتھ جَڑ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا ۔ اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ طرزِ عمل سے بچّے کی شخصیت اندر سے ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے ۔ بچّے تو باغِ زندگی کے حسین و خوشنما پھول ہیں ۔ کیا ہی اچھا ہو ، اگر ہم اجنبی بچّوں سے محبّت اور حُسنِ سلوک سے پیش آئیں ۔

وہ لوگ ، جو بچّوں سے محبّت نہیں کرتے ، یقیناً اُن کی تربیت میں کوئی کمی رہ جاتی ہے ۔ ایسے لوگوں کو بچّوں کی تربیت کرنے سے پہلے اپنے مزاج کی تربیت کی فکر کرنی چاہیئے ۔

یومِ پاکستان پر خصوصی کہانی

محمّد جاوید خالد

آزادی

وہ دونوں کھُلے صحن میں دوڑتے پھر رہے تھے۔ ایک خوبصورت سی گیند اِن کی توجّہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ گیند جس کے ہاتھ لگتی وہ اُسے لڑھکا دیتا پھر دونوں اُسے پکڑنے کے لئے دوڑتے۔ پکڑنے میں دونوں پہل کرنا چاہتے، نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ دونوں آپس میں ٹکراتے، گتھّم گتھّا ہوتے۔ جیتنے والا فخریہ دوسرے کی

طرف دیکھتا اور ہارنے والا اس کا منہ نوچنے کے لئے بیتاب نظر آتا۔ اس دفعہ بھی یہی ہوا۔ تو ایک تیز آواز فضا میں گونجی ...... "بے وقوف! ہارے ہو تو مردانہ وار مقابلہ کرو کھیل میں لڑنا سراسر جہالت ہے۔"

وہ جو دوسرے کا منہ نوچنے جا رہا تھا، ایک دم ٹھٹھک کر رُک گیا۔ پھر اس کا چہرہ تن گیا۔ مونچھوں کے بال کھڑے ہو گئے۔ اپنے ساتھی کی طرف گھورتے ہوئے اس نے کہا۔ "کس نے مجھے جاہل اور بے وقوف کہا ہے ......"

دوسرا خود حیران پریشان کھڑا تھا لیکن اپنے ساتھی کی اس کیفیت سے لطف لیتے ہوئے بولا۔ "بالکل ٹھیک کہا ہے ......"

"کیا ؟؟" پہلے نے چلاتے ہوئے کہا۔ اور ساتھ ہی اس نے دوسرے پر چھلانگ لگا دی۔ دوسرا کب ہار ماننے والا تھا، اس نے جوابی حملہ کیا اور یوں باقاعدہ معرکہ چھڑ گیا۔

"کم عقلو!! آپس میں لڑ لڑ کر اپنی طاقت ضائع کر دو گے تو کوئی بھی تمہیں آسانی سے زیر کرے گا۔" آواز ایک دفعہ پھر گونجی۔ وہ دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے دونوں ایک ساتھ بولے۔ "کوئی کہیں ہے، جس نے ہمیں کم عقل کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے اور بالکل ٹھیک کہا ہے۔" آواز تیسری بار پھر آئی اور دونوں نے ... دیکھ لیا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ ان کے سر سے کچھ ہی اُوپر سنہری پنجرے میں ہرے رنگ کا ایک پرندہ بیٹھا تھا جس کے گلے پر ہار کی طرح ایک خوبصورت دائرہ بنا تھا۔

"تم کون ہو"؟ ایک اس کے دائیں طرف آ کے بولا۔

"تمہارا گھر بڑا خوبصورت ہے۔" دوسرے نے بائیں طرف سے آواز دی۔ پرندے نے قلا بازی کھائی۔ اور ایک ٹانگ پر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ "میں نے صحیح کہا تھا، تم بے وقوف بھی ہو اور جاہل بھی میں طوطا ہوں، جسے "میاں مٹھو" کہتے ہیں۔"

"تم نے ہمیں بے وقوف اور جاہل کیوں کہا۔" دونوں کے تیور خطرناک تھے۔

"اس لئے کہ تمہیں یہ تک پتا نہیں کہ میں کون ہوں۔" طوطے نے جواب دیا۔

"تو تمہیں پتہ ہے کہ ہم کون ہیں"؟ ان کا لہجہ مذاق اُڑانے والا تھا۔

"تم!!" طوطے نے پھر قلا بازی کھائی ...... "تم خرگوش ہو۔"

"خرگوش" ...... دونوں نے ایک ساتھ قہقہہ لگایا "یہ کیا ہوتا ہے۔" ایک نے پوچھا۔

"اب تم بھی جاہل ہو اور بے وقوف بھی"..... دوسرے نے اُچھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
"میرا نام اِکّی ہے"..... ایک نے کہا۔
"اور مجھے وِکّی کہتے ہیں"..... دوسرا بولا۔
"دوستو!! تم واقعی بے وقوف ہو"... طوطا مسکرایا۔"اور یہ گھر نہیں ہے"... طوطا ایک دم سنجیدہ ہوگیا...
"پھر کیا ہے"؟..... دونوں نے حیران ہوکر پوچھا۔
"قید خانہ!" طوطے کی آواز میں دُکھ تھا۔
"قید خانہ؟..... یہ کیا چیز ہوتی ہے؟" وہ دونوں ابھی تک حیران تھے۔
"تم قید خانہ نہیں جانتے؟ تب تو تمہیں یہ بھی خبر ہوگی کہ آزادی کسے کہتے ہیں" طوطا قدرے جوش سے بولا۔
"کیا وہ کوئی کھانے کی چیز ہے"؟... اِکّی نے اپنے خیال میں بڑا عقلمندانہ سوال کیا۔
"نہیں..... مگر اس پر بہترین کھانے قربان کئے جا سکتے ہیں"۔ طوطے کے جوش میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔
"کیا واقعی اچھا کھانا بھی؟"... وِکّی نے طوطے کی گھی، شکر اور روٹی سے تیار "چوری" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔
"بالکل آزادی کے لئے میں دنیا بھر کی "چوری" دے سکتا ہوں"۔ طوطے نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے خاموشی رہی۔ اس خاموشی کو طوطے ہی نے توڑا......"سنو"!! اس نے ان دونوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔"پنجرہ چاہے جتنا بڑا ہو اور کیسا ہی خوبصورت ہو، وہ قید خانہ ہوتا ہے۔ قید ہونے کا مطلب ہے، اپنی مرضی کو ختم کردینا وہ دیکھو! وہ سامنے پیڑ پر لال سرخ سیب لٹک رہا ہے۔ جی چاہتا ہے، اسے کھاؤں مگر کھا نہیں سکتا"۔
"کیوں نہیں کھا سکتے"۔ وِکّی جھٹ بولا۔"ابھی مالکن آئیں گی، وہ سیب کاٹ کر تمہاری پیالی میں رکھ دیں گی"۔
"احمق ہو تم"۔ طوطا غصّے سے بولا۔" اپنی کوشش سے محنت کرکے کھانے والا دوسرے سے لینے کی بجائے مرجانا زیادہ پسند کرتا ہے۔ قید ہوکر مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں"۔ طوطے نے جوش میں پیالی اُلٹ دی اور

ساری جوڑی زمین پر پڑی ۔ وہ دونوں اس پر جھپٹ پڑے اور لڑتے جھگڑتے چٹ کر گئے۔

"تمہیں پیٹ عزیز ہے اور تم جھگڑالو بھی ہو۔ تم کبھی آزادی کا لطف حاصل نہیں کر سکتے"۔ طوطے نے افسوس اور رحم کے لہجے میں کہا۔

"مگر آزادی کیا چیز ہے ؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"آزادی کھلی فضاؤں میں پرواز کا نام ہے !" طوطے نے جوش سے اپنے پروں کو پھڑپھڑاتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے انہیں ہرے بھرے کھیتوں کے بارے میں بتایا۔ جہاں مزے مزے کی چیزیں اُگتی ہیں۔ کھیتوں کے درمیان بہنے والے پانی کے نالوں کے بارے میں بتایا جن کے کنارے بیٹھ کر پانی پینا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے پہاڑوں کا ذکر کیا جن کی چوٹیوں سے نیچے کی چیزیں چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں۔ اُن کے دامن میں بہنے والے پانی کے چشموں کے منظر اور ان کی آوازیں بتائیں۔ اس نے انہیں بلند و بالا درختوں کے بارے میں بتایا، جن پر خوبصورت اور خوش ذائقہ پھل لگتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ تیز ہوا چلتی ہے تو پتے کیسے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور اس سے کیسی خوبصورت آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس نے بارش کے قطروں کے درختوں کے پتوں پر گرنے کی آواز بھی بتائی۔ پھر ایک ایک قطرے کے نیچے گرنے کا منظر بھی بتایا۔ اس نے تیز دھوپ میں درختوں کی مہربان چھاؤں کا بھی ذکر کیا اس نے جھاڑیوں کے بارے میں بتایا۔ رنگ برنگے پھولوں اور ان کی خوشبو کا نقشہ کھینچا۔ کلیوں کے چٹکنے کا، سورج کے آنے اور شبنم کے اُڑ جانے کا ذکر کیا۔ اس نے بتایا کہ کیسے سب جانور اور پرندے اندھیرا ہوتے ہی اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں اور پھر ایک دوسرے کو دن بھر کے واقعات سناتے ہیں۔ پھر صبح سویرے اُٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کی آواز میں آواز ملا کر خالقِ کائنات کی شان بیان کرتے ہیں، اس کی تعریف کرتے ہیں۔

دونوں خرگوش بُت بنے طوطے سے آزادی کی نعمتوں کے بارے میں سُن رہے تھے اور طوطے کی بتائی اور آزادی کے لیے اس کے جوش و خروش کو دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ آزادی بہت قیمتی اور خوبصورت چیز ہے۔

"مگر یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے۔" طوطے نے تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ "آزادی کی قدر نہ ہو اور اس کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ چھن بھی جاتی ہے ..... یہ بھی یاد رکھنا کہ آزاد فضا میں ایسے جانور بھی ہوتے ہیں جن سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے" اور پھر اس نے انہیں کتوں، بھیڑیئے اور لومڑی، اُلو اور سانپوں کے بارے میں بتایا۔ اس نے سخت اور شدید موسموں کا ذکر بھی کیا جن کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

"پھر تو ....." دکی نے آہستہ سے کہا۔ "اگر یہ سب مشکلات ہیں تو آزادی کوئی بہت زیادہ خوبصورت اور

پُرکشش چیز تو نہ ہوئی !"

"کیوں نہیں" طوطا جوش سے چِلّایا۔ "خوبصورت اور پُرکشش۔ ان سب کے باوجود آزادی قیمتی چیز ہے اور اس کی حفاظت کا جذبہ قیمتی ترین۔ بے وقوفو! یہ چیزیں، جن سے تم خوفزدہ ہو رہے ہو، آزادی کی اہمیت کو اور بڑھاتی ہیں۔" ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی۔ اچانک طوطے کی نظر ذرا اُوپر اُٹھی اور اس کے منہ سے خوشی اور جوش میں ایک آواز نکلی۔ پھر تو آوازوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ طوطا تیز تیز آوازیں لگاتا رہا۔ اِکی اور وِکی دونوں حیران کھڑے تھے۔ اچانک ایک اور طوطا نمودار ہوا۔ وہ آ کے پنجرے پر بیٹھ گیا اور غور سے اِس کے آس پاس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ پھر اس نے جھک کر منہ سے وہ لکڑی نکال دی جو پنجرے کے دروازے کی کنڈی میں پھنسی ہوئی تھی۔ اب کنڈی کھولنے کا مسئلہ تھا۔ اندر والا طوطا اچانک پیچھے ہٹا۔ پھر زور سے آ کر دروازے سے ٹکرایا۔ کنڈی تھوڑی سی آگے آ گئی۔

"ارے!... اس طرح تو تمہیں چوٹ لگ جائے گی۔" وِکی نے کہا۔ طوطا مسکرایا اور بولا۔ "آزادی کے لئے جان بھی قربان کی جا سکتی ہے، چوٹ تو معمولی چیز ہے۔" وہ دوسری بار پھر اسی طرح ٹکرایا اور تیسری بار کی کوشش سے دروازہ کھل گیا۔ طوطا ایک دم باہر آ گیا مگر فوراً ہی سنبھل کر اُوپر اُٹھا۔ دونوں طوطے گیت گاتے کھلی فضا میں اُڑتے چلے گئے۔

"آج صحن میں بہت شور مچا ہوا ہے۔" مالکن نے بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھولتے ہی اس نے خرگوشوں پر نظر ڈالی۔ "اِکی وِکی! یہاں کیا ہو رہا ہے۔" فوراً ہی اس کی نظر طوطے کے خالی پنجرے پر پڑی۔ "ارے یہ کیا ہوا؟"۔ کہتے ہوئے وہ آگے بڑھی۔ دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ اِکی نے وِکی کو اور وِکی نے اِکی کو دیکھا — آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہوئے دونوں نے دروازے کی طرف منہ کیا اور دوڑ لگا دی۔ آناً فاناً وہ کھلے جنگل میں پہنچ گئے۔

"آہا.... اب مزہ آئے گا، آزادی کا۔ وہ ساری باتیں دیکھیں گے درختوں کی، پہاڑوں کی، کھیتوں کی، جو جو طوطے نے بتائی تھیں" اِکی نے چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔ وِکی نے بھی اس کی نقل کی۔ کچھ ہی دور چل کر انہیں ایک گھنا درخت نظر آیا۔

"کیوں نہ تھوڑی دیر آرام کر لیا جائے۔" اِکی نے رائے دی۔

"ہاں کچھ ہرج نہیں۔" وِکی نے بھی آمادگی ظاہر کی۔ دونوں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں لیٹ گئے۔ اِکی پر نیند کا غلبہ ہونے لگا۔ وِکی نے آج کے واقعات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ اچانک ہی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ

گیا۔ اس کے نتھنوں نے بڑی اچھی خوشبو محسوس کی تھی۔ اس نے اکی کی طرف دیکھا۔ پہلے تو جی میں آیا کہ اسے بھی ساتھ لے چلوں۔ پھر لالچ غالب آگیا اس نے سوچا، کوئی اچھی چیز ہوئی تو خواہ مخواہ اکی کو بھی حصہ دینا پڑے گا۔ یہ سوچ کر وہ اکیلا ہی چل پڑا۔ خوشبو کی جگہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ ایک گڑھے کے کنارے جا پہنچا۔ گڑھے کی تہہ میں اسے روغنی روٹی نظر آئی۔ تیز خوشبو سیدھی اس کی ناک میں گھستی چلی جا رہی تھی نتیجے کی پروا کیئے بغیر اس نے بے سوچے سمجھے جھٹ چھلانگ لگا دی۔ نیچے پہنچ کر اس نے روٹی اٹھائی ہی تھی کہ دور سے شکاری کتّوں کی آوازیں آتی محسوس ہوئیں۔ گھبرا کے اوپر دیکھا تو نکلنے کا راستہ نہ پایا۔ ناچار اکی کو مدد کے لئے آواز دی۔ شکاری کتّوں کی آوازیں اکی کو بھی ہوشیار کر رہی تھیں وہ آس پاس وکی کو دیکھ رہا تھا کہ اس کی آواز سنائی دی۔ اگلے ہی لمحے وہ گڑھے کے کنارے پر تھا۔

"وکی تم اندر کیسے چلے گئے۔؟" اکی نے سوال کیا۔

"پہلے مجھے نکالنے کی تدبیر کرو۔" وکی نے کہا۔

"نہیں پہلے مجھے تفصیل بتاؤ۔" اکی اڑ گیا... مجبوراً وکی کو تفصیل بتانی پڑی۔

"ٹھیک ہے" اکی نے کہا۔ "تم زور لگا کر روٹی اوپر کی طرف پھینک دو میں تمہیں باہر نکالنے کا طریقہ سوچتا ہوں۔"..

"واہ!! اس طرح تو تم ساری روٹی کھا جاؤ گے۔" وکی بولا "پہلے مجھے نکالو۔"

"نہیں پہلے روٹی پھینکو۔"

"نہیں پہلے مجھے نکالو"

دونوں میں یہ بحث جاری تھی کہ ہوا میں اڑتا ہوا جال آیا۔ اور اکی چاروں خانے چت ہو گیا۔ جھٹکے سے اٹھنا چاہا مگر ایسا پھنسا تھا کہ بے بس ہو گیا...."میں کسی چیز میں پھنس گیا ہوں وکی!" اس نے چلاّ کر کہا۔

"نکلنے کی کوشش کرو" وکی سخت گھبرایا ہوا تھا۔

"بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے"۔ اکی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ شکاری کتّوں کی آوازیں آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھیں اور ان دونوں کے ذہن میں طوطے کی دو باتیں رہ رہ کر گونج رہی تھیں...

"تمہیں پیٹ بہت عزیز ہے اور تم جھگڑالو بھی ہو۔ تم آزادی کا صحیح لطف حاصل نہیں کر سکتے، آزادی کی قدر نہ ہو اور اس کی حفاظت نہ کی جائے تو یہ چھن بھی جاتی ہے۔"

ہجرت کی کہانی

قتیل شفائی

ایک تھی بلّی
برسوں پہلے
اس کے بڑوں کا
شہر تھا دلّی

●

پھر جب آیا
سن سینتالیس ۴۷ء
اُس دم سب نے
آزادی کا
مست رسیلا
بگل بجایا

●

آزادی کی
نعمت پا کر
سب ہی خوش تھے
لیکن کر کے
خون خرابا
اک دُوجے کا
کچھ لوگوں نے
راہ نکالی
بربادی کی

●

اسی لیے تو
لوگ بہت سے
چھوڑ رہے تھے
اپنے اپنے
پیارے وطن کو

●

تب یہ بلّی
خوف کی ماری
سہمی سمٹی
اوروں کے سنگ
ہوئی روانہ
چھوڑ کے دِلّی

●

آئی کراچی
تنہا، لیکن
کچھ ہی دنوں میں
مل گئے اس کو
رشتے سارے
ماما، مامی
خالو، خالہ
بھائی، بہناں
چاچا، چاچی
دیکھو اب یہ
کتنی خوش ہے
اب ہے اس کا
پیارا پیارا
شہر کراچی

●

یہی ہے بلّی
برسوں پہلے
جس کے بڑوں کا
شہر تھا دِلّی

●

آپ اور آپ کے اہلِ خانہ کے لئے
گرین گائیڈ اکیڈمی کے تحائف

راہنما کتابیں

ان کا مطالعہ علم بڑھائے گا
ان کی موجودگی مفید ثابت ہوگی

قرآنی حکایات کا

۱۰۴ صفحات

پر مشتمل خوبصورت مجموعہ

اس کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر ارسال کیجئے

خاکِ وطن سے سرزمینِ حرم تک

معلومات بھی — راہنمائی بھی

حجاج اور زائرین کے لئے نادر تحفہ — ۲۰۳ صفحات

اس کتاب کے لئے ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کیجئے

اسلام کی بنیادی معلومات

جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا کارِ ثواب ہے

۴ حصے

تالیف: مفتی کفایت اللہ صاحبؒ

تعلیم الاسلام مفت حاصل کرنے کے لئے فی کتاب ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کیجئے

پتہ: گرین گائیڈ بک سیریز۔ گرین گائیڈ اکیڈمی
ڈی — ۱۱۲ — نورس روڈ سائٹ، کراچی ۱۶

جان کاب

ولی کاب

شاہنواز فاروقی

لوہنیس کا دیو

یہ بات درست ہے کہ انسان کے لیے اپنی زندگی سے زیادہ اہم کوئی چیز نہیں ہوتی۔ لیکن بعض اوقات انسان شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی کو طرح طرح کے خطروں سے دوچار کر دیتا ہے اور اکثر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ یہ سچا اور حیرت انگیز واقعہ بھی ایک ایسے ہی نڈر شخص کا ہے جسے اپنی مہم کے دوران ایک

لوہنیس کے دیو کی تصویر، جو موقعے پر موجود فوٹو گرافر نے کھینچی

ایجاد کیا؟ آیئے ہم آپ کو بتائیں۔

اس اہم ترین ایجاد کی مُوجد میری نام کی ایک عورت ہے۔ اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اسے دو مرتبہ نوبل انعام عطا کیا گیا ہے۔

میری کا اصل نام مینیا اسکلوڈوسکا MANYA SKLODOWSKA تھا۔ وہ ۷، نومبر ۱۸۶۷ء کو پولینڈ کے شہر وارسا میں پیدا ہوئی۔ میری کے والد ایک اسکول میں حساب اور فزکس پڑھاتے تھے۔ میری بچپن ہی سے نہایت ذہین اور حیرت انگیز یادداشت کی مالک تھی۔ میری کا گھرانہ مالی اعتبار سے کچھ زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ اس لیے سیکنڈری اسکول کا امتحان پاس کرنے کے بعد اُسے کچھ عرصے کے لیے تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ اسی دوران وہ طلبا کی ایک زیرِ زمین تنظیم سے خفیہ طور پر وابستہ ہوگئی۔ کئی سال اس خفیہ تنظیم سے وابستہ رہنے کی وجہ سے اُسے بالآخر اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ اور یوں وہ ۱۸۹۱ء میں پیرس چلی آئی۔ چونکہ میری میں علم کی شدید پیاس موجود تھی اس لیے وہ پیرس کے چند مشہور اساتذہ کے لیکچروں میں شریک ہونے لگی۔ ان اساتذہ میں پال ایپل PAUL APPELL گبرئیل لپمین GABRIEL LIPPMANN اور ایڈمنڈ باؤٹی EDMOND BOUTY جیسے نامور سائنس دان شامل تھے۔ پیرس پہنچ کر میری نے ایک چھوٹے سے کمرے میں اپنی دنیا بسالی تھی۔ مکھن لگے سلائس اور چائے اس کی غذا اور رات دیر تک مطالعہ کرنا اس کی عادت بن چکا تھا۔

دو سال بعد میری نے فرسٹ ڈویژن میں فزکس میں گریجویشن کی ڈگری حاصل کی اور لپمین کی لیبارٹری میں کام شروع کر دیا۔ ۱۸۹۴ء میں میری نے حساب کے مضمون میں بھی گریجویشن کی ڈگری حاصل کرلی۔ اسی سال اس کی ملاقات پائر کیوری PIERRE CURIE سے ہوئی جو اُن دنوں سائنس میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے۔ اور پیرس کے ایک بڑے صنعتی ادارے میں بطور سپروائزر کام کر رہے تھے۔ کچھ دنوں ساتھ رہنے کے بعد ۲۵، جولائی ۱۸۹۵ء میں دونوں نے شادی کرلی۔ شادی کے بعد انھوں نے مشترکہ طور پر اپنا تحقیقی کام شروع کیا۔ اسی دوران ان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام آئرین رکھا گیا۔ انہی دنوں میری نے پی ایچ ڈی کے لیے اپنا مقالہ لکھنا شروع کر دیا۔

۱۸۹۸ء میں ایک تجربے کے دوران میری نے دو عناصر دریافت کیے۔ ایک عنصر کا نام اُس نے اپنے وطن پولینڈ کی مناسبت سے پولونیم POLONIUM رکھا اور دوسرے کو اس نے ریڈیم RADIUM کا نام دیا۔ یہ دونوں عناصر تابکار RADIOACTIVE تھے۔ تابکاری RADIOACTIVITY ہی میری کا تحقیقی موضوع بھی تھا۔ کچھ عرصہ بعد میری نے لڑکیوں کے ایک اسکول میں بطور لیکچرار ملازمت کرلی۔ اس اسکول میں میری نے پہلی مرتبہ سائنس کی تعلیم کو عملی تجربوں کے ساتھ متعارف کرایا۔

۱۹۰۳ء میں میری اور اُس کے شوہر کو فزکس میں نمایاں تحقیقی خدمات انجام دینے اور تابکار عناصر دریافت

کرنے کے صلے میں نوبل انعام دیا گیا۔ اور اسی سال میری کو ڈاکٹر آف سائنس کی اعلیٰ ترین ڈگری دی گئی۔ سائنس کے شعبے میں ان کی تحقیقات کی خبر انگلستان پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ اسی سال دونوں کو رائل سوسائٹی آف لندن کی جانب سے ڈیوی میڈل پیش کیے گئے۔

۱۹۰۴ء میں میری کو اپنے شوہر پائیر کے زیرِ انتظام ایک لیبارٹری کی چیف اسسٹنٹ مقرر کر دیا گیا۔

۱۹ اپریل ۱۹۰۶ء کا دن میری کی کتابِ زندگی میں ایک کربناک باب کا اضافہ کر گیا۔ اُس دن گاڑی کے ایک حادثے میں پائیر کیوری میری سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا۔ شوہر کی اچانک موت کے صدمے نے میری کو نڈھال کر دیا مگر پھر اس نے اپنی اولاد کی خاطر خود کو سنبھالا۔ ۱۳ مئی ۱۹۰۶ء کو اُسے سوربون یونیورسٹی میں پائیر کی خالی نشست پر پروفیسر مقرر کیا گیا۔ اس یونیورسٹی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی خاتون کو اس عہدے کا اہل سمجھا گیا۔ تدریسی کام کے ساتھ ساتھ میری نے تابکار عناصر پر اپنے تجربات جاری رکھے۔

۱۹۱۱ء میں میری کو کیمسٹری میں نمایاں خدمت انجام دینے اور پولونیم اور خالص ریڈیم کی دریافت پر دوسرا نوبل انعام دیا گیا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ریڈیم کی ایجاد نے سائنس کی دُنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ خصوصاً طب میں ریڈیم کا استعمال کینسر جیسی خطرناک بیماری سے مقابلے میں استعمال ہو رہا ہے۔

۱۹۲۱ء میں میری امریکہ کے دورے پر گئی۔ اس دورے میں میری نے اُس وقت کے امریکی صدر ہارڈنگ سے ملاقات کی۔ اس دورے میں میری کو لیگ آف نیشنز LEAGUE OF NATIONS کے بین الاقوامی کمیشن برائے INTELLECTUAL COOPERATION کا رُکن منتخب کیا گیا۔

۱۹۳۲ء میں میری کو اپنے وطن پولینڈ جانے کا اتفاق ہوا جہاں اُس نے اپنے اور پائیر کیوری کے نام پر قائم کیے گئے ایک ریڈیم انسٹیٹیوٹ کا افتتاح کیا۔ ان دنوں اس ادارے میں میری کی چھوٹی بہن برونیا BRONIA ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھی۔

میری نے ساری زندگی تحقیقی کام میں گزاری تھی۔ اس کی سخت محنت رنگ لے آئی تھی۔ مگر کِسے معلوم تھا کہ جس شخصیت نے تابکاری دریافت کی ہے اور جس نے اس پر برسوں تحقیق کی ہے وہ خود اس کے مہلک اثرات کا شکار ہو جائے گی۔ میری کے لیے اُس کی زندگی کے آخری دو سال خون کے سرطان جیسے موذی اور اُس وقت کے لاعلاج مرض میں مبتلا ہونے کے باعث بہت تکلیف دہ ثابت ہوئے۔

بالآخر ۴ جولائی ۱۹۳۴ء کو سالنشز SALLANCHES کے مقام پر میری کا انتقال ہو گیا۔

کیا تم لوگوں نے۔ آخر میرا قصور کیا ہے۔ تم لوگ مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو۔؟"

اِن میں سے ایک نے ڈپٹ کر کہا.... "خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے چلو۔ کل صبح ہوتے ہی تمہیں تمہارا جرم اور اس کی سزا سنا دی جائے گی۔ ممکن ہے تمہیں پھانسی دیدی جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں

چھوٹی کوٹھری بنی ہوئی تھی، جس میں ایک طرف ایک لوٹا، پھوٹا پلنگ پڑا تھا۔ درزی نے نپولین کو پلنگ پر لیٹ جانے کی ہدایت کی اور دکان میں موجود کترنوں کا ڈھیر اُس پر ڈال کر واپس خاموشی سے اپنی

گولیوں سے ہلاک کر دیا جائے۔" اتنا سنتے ہی درزی کی آواز اس کے گلے ہی میں گھُٹ کر رہ گئی۔ سزائے موت کے خوف سے اس کے بدن کا لہو خشک ہونے لگا۔ اسے اپنی بیوی اور بچّے یاد آنے لگے۔ اور انہیں یاد کر کے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ وہ سوچنے لگا اس کی موت کے بعد اس کے بیوی بچّوں کا کیا ہوگا؟ اس کا چھوٹا بچّہ تو ابھی چند ہی سال کا ہے اس کی زندگی کیسے گزرے گی۔؟ ان کی گزر اوقات کا انتظام کون کرے گا......

نپولین کے ساتھیوں نے درزی کو ایک الگ خیمے میں بند کر کے باہر چاروں طرف پہرہ بٹھا دیا اور خود نپولین کی خاطر داریوں میں مصروف ہو گئے... دوسرے دن جب رات نے اپنا سیاہ لبادہ اتار کر دن کی چھماتی قبا زیب تن کی تو دو تندرست و توانا سپاہی درزی کے خیمے میں داخل ہوئے اور اُسے باہر لے جاکر میدان میں ایک درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ دونوں سپاہی، درزی کو باندھ کر فارغ ہوئے تو کندھے سے کندھا ملائے تین اور فوجی اپنی بندوقوں سے اس کا نشانہ لے کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔ انہیں بس نپولین کے حکم کا انتظار تھا۔

موت کو سامنے دیکھ کر درزی نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اس کا جسم کانپنے لگا اور کھلے میدان کی ٹھنڈی ہوا کے باوجود پسینے میں بُری طرح بھیگ گیا۔ ایک طرف ایک بڑا افسر کھڑا گنتی گن رہا تھا۔" ایک... دو ...... !" تین کہنے سے پہلے ہی ایک برق رفتار گھُڑ سوار وہاں پہنچ کر رُکا اور چیخ کر بولا "ٹھہر جاؤ ......"

سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ پھُرتی سے نیچے اتر کر گنتی گننے والے افسر کے قریب پہنچا اور نپولین کا نیا حکم نامہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا... افسر نے حکم نامہ پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"میں نے اس درزی کو معاف کر دیا ہے۔ اسے چھوڑ دیا جائے۔" یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اپنی بندوقیں نیچے جھکا دیں اور دوسرے سپاہیوں نے اُسے تنے سے کھول کر آزاد کر دیا۔ حکمنامے میں آگے لکھا تھا... "ٹیلر ماسٹر صاحب! میں نے اپنا قول پورا کر دیا ہے۔ تمہاری فرمائش کے مطابق دکان کی مرمّت کرا دی، تمہاری بیوی کے لئے خوبصورت وگ بھجوا دی ہے اب رہی تیسری فرمائش کی تو تمہیں اب خود تجربہ ہو گیا ہوگا کہ روسی فوجیوں کے کوٹھری تک پہنچنے اور کترنوں کے ڈھیر میں تلوار کی نوک چبھونے سے مجھے کیسا محسوس ہوا تھا۔"

درزی نے سکون کی گہری سانس لی۔ اور سوچا "جان بچی سو لاکھوں پائے۔ خیر سے بُدّھو گھر کو آئے"۔ اُس نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ آئندہ وہ ایسے بیوقوفی کے سوال کسی سے نہیں کرے گا۔

ابنِ شہباز خان

پاکستان کیوں بنا؟

کردار

(سب لڑکے لڑکیاں آپس میں کزن ہیں۔)

سکندر بھائی:۔ ان سب کے تایازاد بھائی۔ عمر ۱۸ سال۔ انٹر میں پڑھتے ہیں۔ تاریخِ پاکستان پسندیدہ مضمون ہے۔

جاوید:۔ عمر ۱۶ سال۔ میٹرک کا طالب علم۔ مذاق کی عادت ہے۔

مہناز:۔ عمر ۱۵ سال۔ نویں کی طالبہ۔ معلومات

الماس:۔ عمر ۱۲ سال۔ نالائق مشہور ہے اور سوال بہت کرتی ہے۔

صبا:۔ عمر ۱۴ سال۔ عینک لگاتی ہے اور اکثر سوچوں میں گم نظر آتی ہے۔

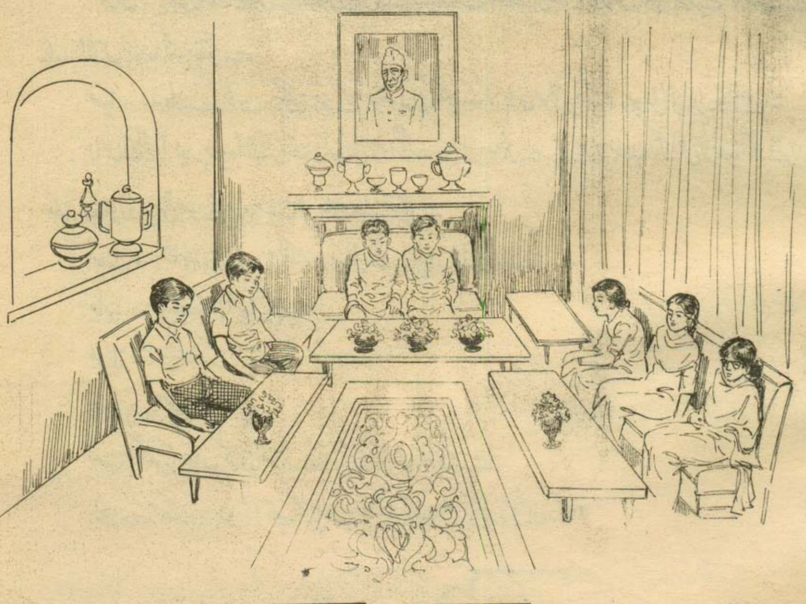

سکندر بھائی:۔ (کپ اُٹھا کر گھونٹ لینے کے بعد) "بھئی، ہمیں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوراً گفتگو شروع کر دینی چاہیے۔ کیونکہ موضوع بہت طویل ہے اور وقت بے حد قلیل!"

ریحان:۔ "بالکل، بالکل!"

سکندر بھائی:۔ "ہاں، تو کہاں سے شروع کریں؟"

جاوید:۔ "ظاہر ہے، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے!"

سکندر بھائی: "درست ... لیکن پہلے کچھ پس منظر بیان کرنا بھی ضروری ہے" (کچھ لمحے رُک کر سوچنے کے بعد) "بات یہ ہے ساتھیو! کہ کسی بھی قوم کی تاریخ اُس کا بیش بہا سرمایہ ہوتی ہے۔ جس کو اُسے یاد رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو قومیں اپنے ماضی کو بھلا دیتی ہیں، اُن کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔۔۔ اور پھر آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں کہ ہماری تاریخ تو ایسی ہے کہ ہم اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے برِصغیر پاک و ہند پر صدیوں حکومت کی اور بڑی شان و شوکت سے کی لیکن رفتہ رفتہ سہل پسندی، عیش پرستی اور غفلت و کوتاہی زہر کی طرح ہماری رگوں میں سرایت کرتی گئی۔ اس لیے آنے والے خطرات کا ہمیں اندازہ نہ ہو سکا۔ اور تجارت کے بہانے سے آئے ہوئے مٹھی بھر انگریز ہماری آپس کی چپقلش ریشہ دوانیوں، اختلافات اور جھگڑوں کو دیکھ کر اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھانے کا سوچنے لگے۔ انھوں نے ہماری کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور یوں مختصر سے عرصے میں ہی ہم ان چند انگریزوں کی مکاری اور چالبازیوں کا شکار ہو کر حکومت و اقتدار سے محروم ہو گئے!"

جاوید:۔ (افسوس سے سر ہلاتے ہوئے) "پھر ہم نے جنگِ آزادی لڑی؟"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ کیونکہ ہم حاکم رہ چکے تھے، محکومی کیسے برداشت کرتے۔ چنانچہ انگریزوں کی غلامی سے نجات کے لیے ۱۸۵۷ء میں ہم نے ایک معرکہ آرا جنگِ آزادی لڑی۔۔۔"

الماس:۔ (جلدی سے) "مگر وہ جنگ کامیاب کیوں نہ ہو سکی؟"

سکندر بھائی:۔ (افسوس کے انداز میں) "اس کی بہت سی وجوہ تھیں:"

کامران:۔ "انگریزوں نے تو ہماری جنگِ آزادی کو غدر کا نام دیا تھا نا سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی:۔ "ہاں، انگریزوں نے اپنے نقطۂ نظر سے اسے غدر یعنی انگریزوں سے غدّاری کا نام دیا اور اس کی تمام تر ذمے داری مسلمانوں پر ڈالتے ہوئے انھیں اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ بے شمار خاندانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

کامران :۔ عمر ۱۵ر سال۔ ہشتم کا طالبِ علم۔ کم گو اور پڑھاکو۔

عرفان :۔ عمر ۱۳ر سال پنجم کا طالب علم۔ خود کو فلمی ہیرو سمجھتا ہے اور اسی طرح بال بناتا ہے۔

ریحان :۔ عمر ۱۱ر سال۔ تیسری کا طالب علم۔ بے حد شرارتی ہے اور دوسروں کی نقلیں اتارتا ہے۔ تینوں آپس میں بھائی ہیں)

منظر :۔ ڈرائنگ روم۔ تین طرف مستطیل کی شکل میں صوفے بچھے ہیں۔ جن پر سب لڑکے لڑکیاں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ صوفوں کے سامنے چھوٹے پایوں کی تین لمبی مستطیل میزیں رکھی ہیں۔ جن پر گلدان پڑے ہیں۔ تینوں گلدانوں میں تازہ پھول سجے ہوئے ہیں۔ سامنے کی طرف، جہاں صوفہ نہیں ہے، داخلی دروازہ ہے۔ جس پر پردہ لٹک رہا ہے۔ فرش پر خوبصورت چھوٹے چھوٹے پھولوں والا وال ٹو وال قالین بچھا ہے۔ مشرقی دیوار کے ساتھ شوکیس ہے۔ جس کے اوپر مختلف کپ اور شیلڈیں ترتیب سے رکھی ہیں۔ شوکیس کے اوپر دیوار پر ہارڈ بورڈ پر قائدِ اعظم کی بڑی سی تصویر لگی ہے۔ سب کے ہاتھ میں چائے کے کپ ہیں اور اُنھیں سکندر بھائی کا انتظار ہے)

الماس :۔ (چائے کا کپ خالی کر کے میز پر پٹختے ہوئے) "اللہ... یہ سکندر بھائی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے"۔

ریحان :۔ (الماس سے مخاطب ہو کر) "تم سوال لکھ کر لائی ہو یا نہیں۔ کہیں عین وقت پر بھول نہ جانا کہ سکندر بھائی سے پوچھنا کیا تھا!"

عرفان :۔ (بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے) "کیا تم نے اسے اپنی طرح نالائق سمجھ رکھا ہے"۔ (سب ہنستے ہیں۔ الماس بُرا سا مُنہ بناتی ہے)

صبا :۔ (دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے، ہونٹوں پر انگلی رکھ کر) "خاموش! سکندر بھائی آیا چاہتے ہیں"۔

(اس کے فوراً بعد پردہ اُٹھا کر سکندر بھائی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہیں۔ سب لوگ مل کر نعرہ لگاتے ہیں۔ سکندر بھائی درمیانی صوفے پر درمیان میں بیٹھ جاتے ہیں)

مہناز :۔ (شاہانہ انداز میں) "سکندر بھائی کے لیے چائے لائی جائے"۔

جاوید :۔ "یہ نیک کام آپ کیجیے"۔

مہناز :۔ (بوکھلا کر) "میں؟"

جاوید :۔ "جی... آپ!"

(مہناز گھور کر جاوید کو دیکھتی ہے اور اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)

مسلمان ریاستیں ضبط کر لی گئیں اور ہزاروں بے گناہ اور معصوم انسانوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ مسلمانوں کو معاشی بدحالی میں مبتلا کرنے اور ان کے مقابلے میں غیر مسلموں کو ہندوستان کی معیشت اور سرکاری ملازمتوں پر مسلط کرنے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ جس کی وجہ سے مسلمان تیزی سے سیاسی، معاشی، معاشرتی، مذہبی اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہوتے چلے گئے۔ جبکہ ہندوؤں کو تعلیمی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے بلند مقام عطا کر کے مسلمانوں کو اُن کا دستِ نگر بنا دیا گیا۔ یوں ہندو، جو پہلے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت گزار رعایا تھے، اپنے آپ کو برتر قوم سمجھنے لگے اور مسلمانوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے"۔

جاوید :۔ (سوچتے ہوئے) "اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ہم اُن پر صدیوں حکومت کرتے رہے تھے!"

سکندر بھائی :۔ "بالکل۔ اس لیے وہ اندر ہی اندر مسلمانوں کے خلاف بُغض اور کینہ رکھتے تھے"۔

الماس :۔ (مایوسی کے انداز میں) "تو کیا مسلمان ایسی ہی حالت میں رہے، سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی :۔ "نہیں ننھی بہن! اس مقام پر سرسید احمد خان کی شکل میں مسلمانوں کو ایک دردمند اور مخلص رہبر ملا۔ سرسید نے ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں کی دگرگوں حالت اور انگریزوں کے اُن پر عتاب کا اندازہ کرتے ہوئے ۱۸۵۸ء میں "رسالہ اسباب بغاوتِ ہند" لکھا اور جنگِ آزادی کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی اور انگریزوں کے ذہن سے اس تاثر کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی کہ مسلمان قوم نے غداری کی ہے"۔

مہناز :۔ "ہماری مِس بتاتی ہیں کہ اُنھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ تعلیم حاصل کریں"۔

سکندر بھائی :۔ (سر ہلاتے ہوئے) "ہاں۔ نہ صرف زور دیا، بلکہ اس مقصد کے لیے کئی عملی اقدام بھی اُٹھائے۔ ان میں سرسید کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ۱۸۸۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس آرگنائزیشن کا قیام ہے۔ جس کا مقصد برِّصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے مختلف مقامات پر اسکول اور کالج کھولنا تھا اور اس آرگنائزیشن نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا"۔

مہناز :۔ "سرسید نے تعلیم کے معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں رکھی تھی، نا سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی :۔ "بالکل۔ مگر جب ہندوؤں نے اُردو کے خلاف تحریک شروع کی تو سرسید نے اپنی توجہ کا مرکز صرف مسلمانوں کو بنا لیا۔ سرسید کی دِلی خواہش تھی کہ مسلمانانِ ہند جدید تعلیم سے بہرہ ور ہوں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ۱۸۷۰ء میں انجمن ترقیِ مسلمانانِ ہند کی بنیاد رکھی۔ اسی انجمن نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں ایم اے او ہائی اسکول قائم کیا، جسے ۱۸۷۷ء میں کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ سرسید کی دِلی خواہش تھی کہ یہ کالج مسلمانوں کی یونیورسٹی بن جائے اور اس کے لیے انھوں نے انتھک محنت کی، مگر اُن کی یہ خواہش زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ ان کے انتقال کے قریباً ۲۳ر

برس بعد ۱۹۲۱ء میں یہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا اور اس نے بڑے بڑے مسلمان لیڈر پیدا کیے۔۔۔"

صبا:۔ (عینک کو کمانی کی طرف سے درست کرتے ہوئے) "مگر آج کل تو اس کا نام علی گڑھ یونیورسٹی ہے۔"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ تقسیم کے بعد بھارتی حکومت نے اس میں سے لفظ مسلم نکال دیا۔"

الماس:۔ (تیزی سے) "کیوں؟"

ریحان (اس کی نقل کرتے ہوئے) "کیوں؟۔۔۔ ہر چیز میں کیوں۔" (سب ہنستے ہیں)

جاوید:۔ (سنجیدہ ہو کر) "پھر سر سیّد نے دو قومی نظریہ پیش کیا؟"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ ہندوؤں نے جب اُردو کے بجائے ہندی کا نعرہ بلند کیا اور اُردو کی شدید مخالفت کی تو سر سیّد بھانپ گئے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کا اتحاد ناممکن ہے۔ یہ ایسا ہی ہے، جیسے پانی اور آگ کو یکجا کیا جائے۔ یہ یقین ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنا نقطۂ نظر تبدیل کر لیا اور واضح طور پر کہہ دیا: "مسلمان سیاسی لحاظ سے ایک الگ قوم ہیں۔ جن کے تاریخی حالات، اغراض و مقاصد، مفاد اور مصلحتیں اور مذہب دوسروں سے الگ ہیں۔" ان خیالات کا اظہار کر کے سر سیّد نے مسلمانانِ ہند کا ہندوؤں سے ایک الگ اور جداگانہ قوم ہونے کا تصوّر راسخ کیا۔ بعد میں یہی دو قومی نظریہ حصولِ پاکستان کی بنیاد بنا۔"

مہناز:۔ (سکندر بھائی کے خاموش ہوتے ہی) "سکندر بھائی! انڈین نیشنل کانگرس بھی تو اسی زمانے میں بنی تھی؟"

جاوید (تیزی سے) "اور اس کی بنیاد ہندوستانی سول سروس کے ایک سبکدوش رکن اے۔ ڈبلیو ہیوم نے ۱۸۸۵ء میں ڈالی تھی۔"

سکندر بھائی:۔ "بالکل درست۔۔۔ اور اس کا مقصد بظاہر ہندوستان کے عوام کے مفادات کی نگہداشت تھا۔ مگر کچھ ہی عرصے میں کانگرس نے سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لی۔ کانگرس درحقیقت ہندو تنظیم تھی۔ کانگرس کے تین مقاصد تھے، جو بظاہر تو تمام ہندوستانیوں کے لیے اچھے لگتے تھے، مگر درحقیقت اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ تھا اور پھر کانگرس کا قیام ایک انگریز گورنر جنرل لارڈ ڈفرن کی شہہ پر عمل میں لایا گیا تھا۔ سر سیّد نے اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ کانگرس میں شریک نہ ہوں۔ ان کی قوم کی بہت بڑی اکثریت نے اس مشورے پر عمل کیا۔"

جاوید:۔ "سکندر بھائی! بنگال کی تقسیم کا واقعہ۔۔۔؟"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ میں وہی بتلانے لگا تھا۔ اصل میں صوبہ بنگال آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا صوبہ تھا اور انگریزی حکومت کو اس کا انتظام سنبھالنے میں سخت دشواریوں کا سامنا تھا۔ لہٰذا انگریزی حکومت نے

اُسے دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ بات ہے، اکتوبر ۱۹۰۵ء کی۔ بنگال کی سرحدوں میں اس ترمیم کو ہندوؤں نے ایک عظیم المثال شورش کا بہانہ بنالیا، جو پہلے بنگال میں شروع ہوئی اور پھر ہندوستان کے تمام حصّوں میں پھیل گئی۔ جبکہ مسلمانوں نے اس تقسیم کا زبردست خیر مقدم کیا اور ہندوؤں کی شورش کی مذمت کی گئی، لیکن حکومت نے ہندوؤں کے دباؤ میں آکر یہ تقسیم منسوخ کردی۔ ہندوؤں کی اس تنگ نظری اور حکومت کے غیر منصفانہ رویّے سے مسلمان بہت مایوس ہوئے۔ مسلمان رہنماؤں کو خیال آیا کہ ان کی خود اپنی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے، جو مسلم مفادات کا تحفظ کرے۔ اس عزم پر عمل کرنے کے لیے مسلمان رہنما دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ جمع ہوئے اور یوں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ پھر اسی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ۱۹۳۰ء میں علامہ محمدؐ اقبال نے ایک الگ مسلم ریاست کی ضرورت کا اظہار کر کے پاکستان کا تصوّر پیش کیا۔ ان کی یہ تقریر خطبۂ الٰہ آباد کہلاتی ہے۔ علامہ اقبال نے اس مسلم ریاست کا کوئی نام نہیں رکھا۔ یہ کام چوہدری رحمت علی نے کیا۔ انھوں نے اس مسلم مملکت کا نام پاکستان تجویز کیا۔ پھر اس کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کی بادشاہی مسجد کے پہلو میں منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) کے وسیع وعریض میدان میں پچاس ہزار مسلمانوں نے "قراردادِ لاہور" منظور کی۔ یہ قرارداد شیرِ بنگال مولوی فضل الحق وزیرِ اعلیٰ بنگال نے پیش کی۔ اس قرارداد پر ہندوؤں نے بہت شور و غوغا کیا ؛ ہندوؤں کے ــــــ اخبارات نے بڑی بے شرمی اور تلخی کے ساتھ اُلٹی تہمت طرازیاں شروع کر دیں۔ حقیقت میں یہ ہندو اخبارات ہی تھے، جنھوں نے لاہور کی قرارداد کو پاکستان کا مطالبہ کہہ کر مطعون کیا۔ انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے طنزاً اسے "قراردادِ پاکستان" کا نام دیا، جسے مسلمانوں نے قبول کیا اور یہ قرارداد اسی نام سے مشہور ہوئی "۔

ریحان :۔ "پھر کیا پاکستان آسانی سے حاصل ہو گیا، سکندر بھائی ؟"

سکندر بھائی :۔ (مسکرا کر) "نہیں ننھے بھائی ! اس کے بعد سات سال کی ایک طویل صبر آزما اور مسلسل جدّوجُہد کا دور ہے۔ جدّوجُہدِ پاکستان کے یہ سات سال بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ سات سال فیصلہ کن ثابت ہوئے اور مسلمان اپنی منزلِ پاکستان کے قریب تر آگئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو برطانوی وزیرِ اعظم نے انگلستان کی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرر کر دیا گیا "۔

مہناز :۔ "وہ تو جواہر لال نہرو کا دوست تھا نا سکندر بھائی ؟"

سکندر بھائی (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) "ہاں۔ اسی لیے کانگرس نے اس کے تقرر کا بہت زیادہ خیر مقدم کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہاں کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا اور تقسیمِ ہند کی اسکیم تیّار کی۔ اس نے اس تقسیم میں ہندوؤں سے

ذیشان بن صفدر

نپولین اور درزی

نپولین کے عہدِ حکومت کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک غریب درزی رہا کرتا تھا، اس کی گزر اوقات گاؤں کے لوگوں کا لباس اُجرت پر سی کر ہوتی تھی۔ گاؤں کے بہت کم لوگ ایسے تھے، جو اُس سے کپڑے سلواتے۔ کیونکہ عام طور پر لوگ اپنے گھروں ہی میں کپڑے سی لیا کرتے تھے۔ ایک دن وہ درزی اپنی دکان میں تنہا بیٹھا مستقبل کی سوچ میں غرق تھا کہ اچانک ایک اجنبی نے اس کی دکان میں داخل ہوکر اس کی سوچ کا سلسلہ توڑ دیا وہ ہڑبڑا کر اجنبی کو دیکھنے لگا۔ دکان میں آنے والا شخص فوجی وردی میں ملبوس تھا۔ اور اس کی چوڑی چکلی چھاتی پر بے شمار تمغے جگمگا رہے تھے۔ اس شخص کی صحت بھی قابلِ رشک تھی۔ ہاں قد عام لوگوں کے مقابلے میں قدرے چھوٹا تھا۔ مگر چہرے پر بے پناہ رُعب تھا۔

وہ شخص کچھ دیر ٹھہر کر بولا۔ "میں تمہاری دکان میں پناہ لینے کے لئے آیا ہوں۔ میرا نام نپولین ہے۔ روسی فوجی شکاری کتّوں کی طرح میری بُو سونگھتے ہوئے میرے پیچھے آرہے ہیں۔ تم اپنی دکان میں مجھے چھپالو۔ جان بچ جانے پر میں تمہیں اتنا مالا مال کردوں گا کہ کئی پشتوں کے لئے کافی ہوگا۔"

درزی نے ایک نظر نو وارد پر ڈالی، اُس کے بارُعب چہرے پر اس کی نظریں ٹھہر نہ سکیں .. وہ خاموشی سے کھڑا ہوگیا اور نپولین کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرکے اندر جانے لگا۔ دکان کے اندر ایک اور

چھوٹی کوٹھری بنی ہوئی تھی، جس میں ایک طرف ایک لوٹا، چھوٹا پلنگ پڑا تھا۔ درزی نے نپولین کو پلنگ پر لیٹ جانے کی ہدایت کی اور دکان میں موجود کترنوں کا ڈھیر اُس پر ڈال کر واپس خاموشی سے اپنی جگہ آکر بیٹھ گیا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ تین روسی فوجی نپولین کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک نے ڈپٹ کر پوچھا "کیا اِدھر سے کوئی فوجی وردی پہنے بھاگتا ہوا گزرا ہے....؟"

درزی نے خالی، خالی نظروں سے انہیں دیکھا، پھر بڑی نرمی سے بولا۔... "حضور! بس ابھی آپ تینوں کو ہی فوجی وردی میں دیکھ رہا ہوں۔ اس سے پہلے تو یہاں سے کوئی بھی نہیں گزرا۔"

اس کا جواب ختم ہوتے ہوتے دوسرا فوجی اُس بھی زیادہ گرجتے اور دہاڑتے ہوئے بولا" دیکھو بڑے میاں! سچ سچ بتا دو، اگر ذرا بھی جھوٹ بولا تو ابھی تمہارا سر تن سے جُدا کر دیا جائے گا۔" اس کے ساتھ ساتھ اُن کی نظریں دکان کا بھی جائزہ لیتی رہیں۔

درزی نے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے اور خوف سے کانپتے ہوئے بولا "نہیں حضور! مجھے بھلا جھوٹ بول کر اپنی جان تھوڑا ہی گنوانی ہے۔ حضور مجھ غریب کا یقین کیجئے آپ سے پہلے اِدھر کوئی اجنبی نہیں آیا۔" روسیوں نے اس کے باوجود دکان کی تلاشی لی۔ وہ کوٹھڑی میں بچھے ہوئے پلنگ کے قریب بھی گئے، جس پر نپولین کترنوں کے ڈھیر میں چھُپا لیٹا ہوا تھا۔ وہ کترنوں کے ڈھیر کو سرسری طور پر دیکھ کر پلٹ گئے۔ واپس لوٹتے ہوئے ایک روسی نے اپنی تلوار کی نوک کترنوں کے ڈھیر میں گاڑ کر دیکھی۔ تلوار کی نوک نپولین کے جسم سے چند انچ ہی دور رہ کر واپس لوٹ گئی۔

درزی پھر اپنی جگہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھ گیا... اس طرح کئی گھنٹے گزر گئے نپولین کو جب یقین ہو گیا کہ روسی اس کی تلاش میں کافی آگے نکل گئے ہوں گے تو وہ کترنوں کے ڈھیر میں سے نکل آیا اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اُس نے پہلے ایک کپڑے سے اپنا پسینہ خشک کیا۔ پھر وردی کی شکنیں ٹھیک کرتے ہوئے بولا۔ "تم نے اس آڑے وقت میں میری جان بچا کر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے اس لئے میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم مجھ سے تین باتیں پوری کرا سکتے ہو۔-- تمہاری فرمائش کتنی بھی قیمتی کیوں نہ ہو میں اسے پوری کر کے خوشی محسوس کروں گا۔"

غریب درزی بیچارا کیا مانگتا۔ وہ سوچ میں پڑ گیا... اچانک اس کی نظر اپنی دکان کی شکستہ چھت کی طرف گئی جس میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ وہ بولا "اگر آپ مجھے کچھ دینا ہی چاہتے ہیں تو اس چھت کی مرمّت کرا دیں، جس کے نیچے آپ کی جان بچی ہے۔" نپولین کو اس کی اس معمولی فرمائش

پر بڑی جھنجھلاہٹ ہوئی مگر پھر بھی اس نے وعدہ کرلیا کہ وہ یہ چھت ٹھیک کروادے گا... درزی اب دوسری فرمائش کے بارے میں سوچنے لگا۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد اُسے اپنی بیوی یاد آگئی۔ جس کے خوبصورت گھنے بال ایک طویل بیماری میں جھڑ گئے تھے۔ وہ بولا "اور حضور! میری بیوی کے بال جھڑ گئے ہیں۔"...

"تو پھر میں کیا کروں؟" نپولین اس کی بیوقوفی پر جھلا کر بولا۔

درزی نہایت عاجزی سے بولا "حضور! آپ اس کے لئے ایک خوبصورت وگ دلوادیں" درزی کی بیوقوفی پر نپولین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے پھول کھل گئے... وہ بولا۔ "جناب ٹیلر ماسٹر صاحب! میں سمجھ گیا تم بڑے ہی بیوقوف شخص ہو۔ تم نے زندگی کی رنگینیوں اور ضرورتوں کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ وگرنہ تم نپولین سے اتنی معمولی چیزیں طلب نہ کرتے۔ اب بھی وقت ہے۔ تم مجھ سے ایسی تیسری فرمائش کرو جو میرے شایانِ شان ہو۔ اور جسے تاریخ کبھی فراموش نہ کرسکے۔"

درزی نپولین کی بات سن کر بُری طرح اُلجھن میں گرفتار ہوگیا۔ آخر سوچتے سوچتے بولا۔ "حضور! یہ بتائیں کہ روسی سپاہی آپ کو تلاش کرتے کرتے کوٹھری تک پہنچ گئے۔ اور ایک سپاہی نے کترنوں کے ڈھیر میں تلوار چبھو کر دیکھا تو اُس وقت آپ کو کیا محسوس ہوا؟"

نپولین یہ سنتے ہی غضب سے بھڑک اٹھا۔ غیظ و غضب کی شدّت سے اس کی آنکھیں انگارے برسانے لگیں۔ وہ گرجتے ہوئے بولا۔ "بدتمیز! تیری یہ جرأت کہ نپولین سے ذاتی نوعیت کا سوال کرے میں تیری بوٹی بوٹی کرکے چیل کوّوں کو کھلادوں گا" اسی وقت نپولین کے چند جاں نثار ساتھی اسے تلاش کرتے ہوئے آنکلے اور نپولین کی آواز سُن کر دکان میں آگئے... انہوں نے معاملے کی نوعیت کو بھانپتے ہوئے درزی کو فوراً قید کرلیا۔

اب درزی کو اپنی حماقت پر بہت افسوس ہوا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ ہاتھ جوڑ کر نپولین کے سامنے بُری طرح گڑگڑانے اور رحم کی بھیک مانگنے لگا۔ مگر نپولین نے ایک نہ سنی۔ پھر وہ ان لوگوں کی مِنّت سماجت کرنے لگا، جنہوں نے اُسے قید کیا تھا۔ "تم لوگ مجھے کہاں لے جارہے ہو۔ مجھے کیوں قید کیا ہے تم لوگوں نے آخر میرا قصور کیا ہے۔ تم لوگ مجھے کس جرم کی سزا دے رہے ہو۔؟"

اِن میں سے ایک نے ڈپٹ کر کہا... "خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے چلو۔ کل صبح ہوتے ہی تمہیں تمہارا جرم اور اس کی سزا سنادی جائے گی۔ ممکن ہے تمہیں پھانسی دیدی جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہیں

گولیوں سے ہلاک کر دیا جائے"۔ اتنا سنتے ہی درزی کی آواز اس کے گلے ہی میں گھٹ کر رہ گئی۔ سزائے موت کے خوف سے اس کے بدن کا لہو خشک ہونے لگا۔ اسے اپنی بیوی اور بچّے یاد آنے لگے۔ اور انہیں یاد کر کے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ وہ سوچنے لگا اس کی موت کے بعد اس کے بیوی بچّوں کا کیا ہوگا؟ اس کا چھوٹا بچّہ تو ابھی چند ہی سال کا ہے اس کی زندگی کیسے گزرے گی۔؟ ان کی گزرا وقات کا انتظام کون کرے گا......

نپولین کے ساتھیوں نے درزی کو ایک الگ خیمے میں بند کر کے باہر چاروں طرف پہرہ بٹھا دیا اور خود نپولین کی خاطر داریوں میں مصروف ہو گئے۔... دوسرے دن جب رات نے اپنا سیاہ لبادہ اتار کر دن کی چمچاتی قبا زیب تن کی تو دو تندرست و توانا سپاہی درزی کے خیمے میں داخل ہوئے اور اُسے باہر لے جا کر میدان میں ایک درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ دونوں سپاہی، درزی کو باندھ کر فارغ ہوئے تو کندھے سے کندھا ملائے تین اور فوجی اپنی بندوقوں سے اس کا نشانہ لے کر سامنے آکھڑے ہوئے۔ انہیں بس نپولین کے حکم کا انتظار تھا۔

موت کو سامنے دیکھ کر درزی نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اس کا جسم کانپنے لگا اور کھلے میدان کی ٹھنڈی ہوا کے باوجود پسینے میں بُری طرح بھیگ گیا۔ ایک طرف ایک بڑا افسر کھڑا گنتی گن رہا تھا "ایک... دو..... !" تین کہنے سے پہلے ہی ایک برق رفتار گھڑ سوار وہاں پہنچ کر رُکا اور چیخ کر بولا "ٹھہر جاؤ......" سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ پھُرتی سے نیچے اتر کر گنتی گننے والے افسر کے قریب پہنچا اور نپولین کا نیا حکم نامہ اس کے ہاتھ میں تھما دیا... افسر نے حکم نامہ پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"میں نے اس درزی کو معاف کر دیا ہے۔ اسے چھوڑ دیا جائے"۔ یہ سنتے ہی سپاہیوں نے اپنی بندوقیں نیچے جھکا دیں اور دوسرے سپاہیوں نے اُسے تنے سے کھول کر آزاد کر دیا۔ حکمنامے میں آگے لکھا تھا... "ٹیلر ماسٹر صاحب! میں نے اپنا قول پورا کر دیا ہے۔ تمہاری فرمائش کے مطابق دکان کی مرمّت کرا دی، تمہاری بیوی کے لئے خوبصورت وِگ بھجوا دی ہے اب رہی تیسری فرمائش کی تو تمہیں اب خود تجربہ ہو گیا ہوگا کہ روسی فوجیوں کے کوٹھری تک پہنچنے اور کترنوں کے ڈھیر میں تلوار کی نوک چبھونے سے مجھے کیسا محسوس ہوا تھا"۔

درزی نے سکون کی گہری سانس لی۔ اور سوچا "جان بچی سو لاکھوں پائے۔ خیر سے بُدّھو گھر کو آئے"۔ اُس نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ آئندہ وہ ایسے بیوقوفی کے سوال کسی سے نہیں کرے گا۔

۲۳ مارچ پر خصوصی مکالمہ

ابنِ شہباز خان

پاکستان کیوں بنا؟

کردار

(سب لڑکے لڑکیاں آپس میں کزن ہیں۔)

- سکندر بھائی:۔ ان سب کے تایازاد بھائی۔ عمر ۱۸ سال۔ انٹر میں پڑھتے ہیں۔ تاریخِ پاکستان پسندیدہ مضمون ہے۔

جاوید:۔ عمر ۱۶ سال۔ میٹرک کا طالبِ علم۔ مذاق کی عاد[illegible] ہے۔

مہناز:۔ عمر ۱۵ سال۔ نویں کی طالبہ۔ معلو[illegible]

الماس:۔ عمر ۱۲ سال۔ نالائق مشہور ہے اور سوال بہت کرتی ہے۔

صبا:۔ عمر ۱۴ سال۔ عینک لگاتی ہے اور اکثر سوچوں میں گم نظر آتی ہے۔

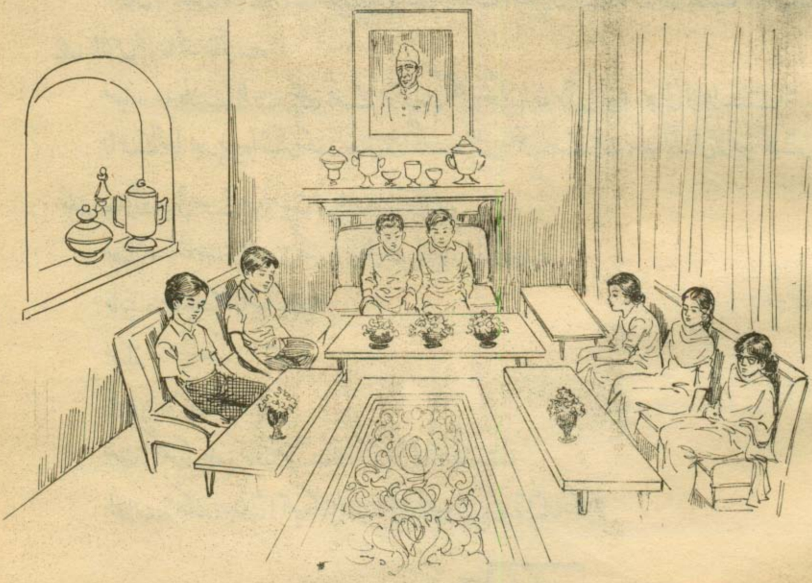

کامران :۔ عمر ۱۵ سال۔ ہشتم کا طالبِ علم۔ کم گو اور پڑھاکو۔
عرفان :۔ عمر ۱۳ سال پنجم کا طالب علم۔ خود کو فلمی ہیرو سمجھتا ہے اور اسی طرح بال بناتا ہے۔
ریحان :۔ عمر ۱۱ سال۔ تیسری کا طالب علم۔ بے حد شرارتی ہے اور دوسروں کی نقلیں اتارتا ہے۔ تینوں آپس میں بھائی ہیں)

منظر :۔ ڈرائنگ روم۔ تین طرف مستطیل کی شکل میں صوفے بچھے ہیں۔ جن پر سب لڑکے لڑکیاں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ صوفوں کے سامنے چھوٹے پایوں کی تین لمبی مستطیل میزیں رکھی ہیں۔ جن پر گلدان پڑے ہیں۔ تینوں گلدانوں میں تازہ پھول سجے ہوئے ہیں۔ سامنے کی طرف، جہاں صوفہ نہیں ہے، داخلی دروازہ ہے۔ جس پر پردہ لٹک رہا ہے۔ فرش پر خوبصورت چھوٹے چھوٹے پھولوں والا وال ٹو وال قالین بچھا ہے۔ مشرقی دیوار کے ساتھ شوکیس ہے۔ جس کے اوپر مختلف کپ اور شیلڈیں ترتیب سے رکھی ہیں۔ شوکیس کے اوپر دیوار پر ہارڈ بورڈ پر قائدِ اعظم کی بڑی سی تصویر لگی ہے۔ سب کے ہاتھ میں چائے کے کپ ہیں اور انھیں سکندر بھائی کا انتظار ہے)

الماس :۔ (چائے کا کپ خالی کر کے میز پر پٹختے ہوئے) "اللہ ۔۔۔ یہ سکندر بھائی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے"۔
ریحان :۔ (الماس سے مخاطب ہو کر) "تم سوال لکھ کر لائی ہو یا نہیں۔ کہیں عین وقت پر بھول نہ جانا کہ سکندر بھائی سے پوچھنا کیا تھا!"
عرفان :۔ (بالوں کو انگلیوں سے سنوارتے ہوئے) "کیا تم نے اسے اپنی طرح نالائق سمجھ رکھا ہے"۔ (سب ہنستے ہیں۔ الماس بُرا سا منہ بناتی ہے)
صبا :۔ (دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے، ہونٹوں پر انگلی رکھ کر) "خاموش! سکندر بھائی آیا چاہتے ہیں"۔
(اس کے فوراً بعد پردہ اُٹھا کر سکندر بھائی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہیں۔ سب لوگ مل کر نعرہ لگاتے ہیں۔ سکندر بھائی درمیانی صوفے پر درمیان میں بیٹھ جاتے ہیں)
مہناز :۔ (شاہانہ انداز میں) "سکندر بھائی کے لیے چائے لائی جائے"۔
جاوید :۔ "یہ نیک کام آپ کیجیے"۔
مہناز :۔ (بوکھلا کر) "میں؟"
جاوید :۔ "جی ۔۔۔ آپ!"
(مہناز گھور کر جاوید کو دیکھتی ہے اور اُٹھ کھڑی ہوتی ہے)
الماس :۔ "سکندر بھائی! آپ کو یاد ہے، آج آپ ہمیں کچھ بتائیں گے"۔

سکندر بھائی :۔ "ہاں بھئی، اچھی طرح یاد ہے۔ اس لیے تو آیا ہوں۔ آج کا موضوع ہے، جدوجہدِ آزادی!"
(مہناز کشتی میں چائے لے کر داخل ہوتی ہے اور سکندر بھائی کے سامنے میز پر رکھ دیتی ہے)
سکندر بھائی :۔ (کپ اُٹھا کر گھونٹ لینے کے بعد) "بھئی، ہمیں وقت ضائع کرنے کے بجائے فوراً گفتگو شروع کر دینی چاہیے۔ کیونکہ موضوع بہت طویل ہے اور وقت بے حد قلیل!"
ریحان :۔ "بالکل، بالکل!"
سکندر بھائی :۔ "ہاں، تو کہاں سے شروع کریں؟"
جاوید :۔ "ظاہر ہے، جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے!"
سکندر بھائی :۔ "درست ... لیکن پہلے کچھ پس منظر بیان کرنا بھی ضروری ہے" (کچھ لمحے رُک کر سوچنے کے بعد) "بات یہ ہے ساتھیو! کہ کسی بھی قوم کی تاریخ اُس کا بیش بہا سرمایہ ہوتی ہے۔ جس کو اُسے یاد رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ جو قومیں اپنے ماضی کو بھلا دیتی ہیں، اُن کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔۔۔ اور پھر آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں کہ ہماری تاریخ تو ایسی ہے کہ ہم اس پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے برِصغیر پاک و ہند پر صدیوں حکومت کی اور بڑی شان و شوکت سے کی لیکن رفتہ رفتہ سہل پسندی، عیش پرستی اور غفلت و کوتاہی زہر کی طرح ہماری رگوں میں سرایت کرتی گئی۔ اسی لیے آنے والے خطرات کا ہمیں اندازہ نہ ہو سکا۔ اور تجارت کے بہانے سے آئے ہوئے مٹھی بھر انگریز ہماری آپس کی چپقلش ریشہ دوانیوں، اختلافات اور جھگڑوں کو دیکھ کر اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھانے کا سوچنے لگے۔ انھوں نے ہماری کمزوریوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور یوں مختصر سے عرصے میں ہی ہم ان چند انگریزوں کی مکاری اور چالبازیوں کا شکار ہو کر حکومت و اقتدار سے محروم ہو گئے!"
جاوید :۔ (افسوس سے سر ہلاتے ہوئے) "پھر ہم نے جنگِ آزادی لڑی؟"
سکندر بھائی :۔ "ہاں۔ کیونکہ ہم حاکم رہ چکے تھے، محکومی کیسے برداشت کرتے۔ چنانچہ انگریزوں کی غلامی سے نجات کے لیے ۱۸۵۷ء میں ہم نے ایک معرکہ آرا جنگِ آزادی لڑی ۔۔۔"
الماس :۔ (جلدی سے) "مگر وہ جنگ کامیاب کیوں نہ ہو سکی؟"
سکندر بھائی :۔ (افسوس کے انداز میں) "اس کی بہت سی وجوہ تھیں۔"
کامران :۔ "انگریزوں نے تو ہماری جنگِ آزادی کو غدر کا نام دیا تھا نا سکندر بھائی؟"
سکندر بھائی :۔ "ہاں، انگریزوں نے اپنے نقطۂ نظر سے اسے غدر یعنی انگریزوں سے غدّاری کا نام دیا اور اس کی تمام تر ذمّے داری مسلمانوں پر ڈالتے ہوئے انھیں اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ بے شمار خاندانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

مسلمان ریاستیں ضبط کرلی گئیں اور ہزاروں بے گناہ اور معصوم انسانوں کو ظلم و بربریت کا نشانہ بنایا گیا۔ مسلمانوں کو معاشی بدحالی میں مبتلا کرنے اور ان کے مقابلے میں غیر مسلموں کو ہندوستان کی معیشت اور سرکاری ملازمتوں پر مسلّط کرنے کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ جس کی وجہ سے مسلمان تیزی سے سیاسی، معاشی، معاشرتی، مذہبی اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہوتے چلے گئے۔ جبکہ ہندوؤں کو تعلیمی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے بلند مقام عطا کر کے مسلمانوں کو اُن کا دستِ نگر بنا دیا گیا۔ یوں ہندو، جو پہلے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت گزار رعایا تھے، اپنے آپ کو برتر قوم سمجھنے لگے اور مسلمانوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔"

جاوید:۔ (سوچتے ہوئے) "اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ ہم اُن پر صدیوں حکومت کرتے رہے تھے؟"

سکندر بھائی:۔ "بالکل۔ اس لیے وہ اندر ہی اندر مسلمانوں کے خلاف بُغض اور کینہ رکھتے تھے۔"

الماس:۔ (مایوسی کے انداز میں) "تو کیا مسلمان ایسی ہی حالت میں رہے، سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی:۔ "نہیں ننھی بہن! اس مقام پر سر سیّد احمد خان کی شکل میں مسلمانوں کو ایک دردمند اور مخلص رہبر ملا۔ سر سیّد نے ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں کی دگرگوں حالت اور انگریزوں کے اُن پر عتاب کا اندازہ کرتے ہوئے ۱۸۵۸ء میں "رسالہ اسبابِ بغاوتِ ہند" لکھا اور جنگِ آزادی کے اسباب پر تفصیلی روشنی ڈالی اور انگریزوں کے ذہن سے اس تاثر کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی کہ مسلمان قوم نے غدّاری کی ہے۔"

مہناز:۔ "ہماری مِس بتاتی ہیں کہ اُنھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ تعلیم حاصل کریں۔"

سکندر بھائی:۔ (سر ہلاتے ہوئے) "ہاں۔ نہ صرف زور دیا، بلکہ اس مقصد کے لیے کئی عملی اقدام بھی اُٹھائے۔ ان میں سر سیّد کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ۱۸۸۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس آرگنائزیشن کا قیام ہے۔ جس کا مقصد برِّصغیر ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے مختلف مقامات پر اسکول اور کالج کھولنا تھا اور اس آرگنائزیشن نے یہ کام بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔"

مہناز:۔ "سر سیّد نے تعلیم کے معاملے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں رکھی تھی، نا سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی:۔ "بالکل۔ مگر جب ہندوؤں نے اُردو کے خلاف تحریک شروع کی تو سر سیّد نے اپنی توجّہ کا مرکز صرف مسلمانوں کو بنا لیا۔ سر سیّد کی دِلی خواہش تھی کہ مسلمانانِ ہند جدید تعلیم سے بہرہ ور ہوں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ۱۸۷۰ء میں انجمن ترقّیِ مسلمانانِ ہند کی بنیاد رکھی۔ اسی انجمن نے ۱۸۷۵ء میں علی گڑھ میں ایم اے او ہائی اسکول قائم کیا، جسے ۱۸۷۷ء میں کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ سر سیّد کی دِلی خواہش تھی کہ یہ کالج مسلمانوں کی یونیورسٹی بن جائے اور اس کے لیے انھوں نے انتھک محنت کی، مگر اُن کی یہ خواہش زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ ان کے انتقال کے قریباً ۲۳،

برس بعد ۱۹۲۱ء میں یہ کالج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بن گیا اور اس نے بڑے بڑے مسلمان لیڈر پیدا کیے۔۔۔"

صبا:۔ (عینک کو کمانی کی طرف سے درست کرتے ہوئے) "مگر آج کل تو اس کا نام علی گڑھ یونیورسٹی ہے"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ تقسیم کے بعد بھارتی حکومت نے اس میں سے لفظ مسلم نکال دیا"

الماس:۔ (تیزی سے) "کیوں؟"

ریحان (اس کی نقل کرتے ہوئے) "کیوں؟۔۔۔ ہر چیز میں کیوں" (سب ہنستے ہیں)

جاوید:۔ (سنجیدہ ہو کر) "پھر سرسیّد نے دو قومی نظریہ پیش کیا؟"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ ہندوؤں نے جب اُردو کے بجائے ہندی کا نعرہ بلند کیا اور اُردو کی شدید مخالفت کی تو سرسیّد بھانپ گئے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کا اتحاد ناممکن ہے۔ یہ ایسا ہی ہے، جیسے پانی اور آگ کو یکجا کیا جائے۔ یہ یقین ہو جانے کے بعد انھوں نے اپنا نقطۂ نظر تبدیل کر لیا اور واضح طور پر کہہ دیا: "مسلمان سیاسی لحاظ سے ایک الگ قوم ہیں۔ جن کے تاریخی حالات، اغراض و مقاصد، مفاد اور مصلحتیں اور مذہب دوسروں سے الگ ہیں" ان خیالات کا اظہار کر کے سرسیّد نے مسلمانانِ ہند کا ہندوؤں سے ایک الگ اور جداگانہ قوم ہونے کا تصوّر راسخ کیا۔ بعد میں یہی دو قومی نظریہ حصولِ پاکستان کی بنیاد بنا"

مہناز:۔ (سکندر بھائی کے خاموش ہوتے ہی) "سکندر بھائی! انڈین نیشنل کانگرس بھی تو اسی زمانے میں بنی تھی؟"

جاوید (تیزی سے) "اور اس کی بنیاد ہندوستانی سول سروس کے ایک سبکدوش رکن اے۔ ڈبلیو ہیوم نے ۱۸۸۵ء میں ڈالی تھی"

سکندر بھائی:۔ "بالکل درست۔۔۔ اور اس کا مقصد بظاہر ہندوستان کے عوام کے مفادات کی نگہداشت تھا۔ مگر کچھ ہی عرصے میں کانگرس نے سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لی۔ کانگرس درحقیقت ہندو تنظیم تھی۔ کانگرس کے تین مقاصد تھے، جو بظاہر تو تمام ہندوستانیوں کے لیے اچھے لگتے تھے، مگر درحقیقت اس سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ تھا اور پھر کانگرس کا قیام ایک انگریز گورنر جنرل لارڈ ڈفرن کی شہہ پر عمل میں لایا گیا تھا۔ سرسیّد نے اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ کانگرس میں شریک نہ ہوں۔ ان کی قوم کی بہت بڑی اکثریت نے اس مشورے پر عمل کیا"

جاوید:۔ "سکندر بھائی! بنگال کی تقسیم کا واقعہ۔۔۔؟"

سکندر بھائی:۔ "ہاں۔ میں وہی بتلانے لگا تھا۔ اصل میں صوبہ بنگال آبادی اور رقبے کے لحاظ سے بہت بڑا صوبہ تھا اور انگریزی حکومت کو اس کا انتظام سنبھالنے میں سخت دشواریوں کا سامنا تھا۔ لہٰذا انگریزی حکومت نے

اُسے دو صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ بات ہے، اکتوبر ۱۹۰۵ء کی۔ بنگال کی سرحدوں میں اس ترمیم کو ہندوؤں نے ایک عظیم المثال شورش کا بہانہ بنا لیا، جو پہلے بنگال میں شروع ہوئی اور پھر ہندوستان کے تمام حصّوں میں پھیل گئی۔ جبکہ مسلمانوں نے اس تقسیم کا زبردست خیر مقدم کیا اور ہندوؤں کی شورش کی مذمت کی گئی، لیکن حکومت نے ہندوؤں کے دباؤ میں آ کر یہ تقسیم منسوخ کر دی۔ ہندوؤں کی اس تنگ نظری اور حکومت کے غیر منصفانہ رویّے سے مسلمان بہت مایوس ہوئے۔ مسلمان رہنماؤں کو خیال آیا کہ ان کی خود اپنی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے، جو مسلم مفادات کا تحفظ کرے۔ اس عزم پر عمل کرنے کے لیے مسلمان رہنما دسمبر ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ جمع ہوئے اور یوں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ پھر اسی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ۱۹۳۰ء میں علاّمہ محمّد اقبال نے ایک الگ مسلم ریاست کی ضرورت کا اظہار کر کے پاکستان کا تصوّر پیش کیا۔ ان کی یہ تقریر خطبۂ الٰہ آباد کہلاتی ہے۔ علاّمہ اقبال نے اس مسلم ریاست کا کوئی نام نہیں رکھا۔ یہ کام چوہدری رحمت علی نے کیا۔ انھوں نے اس مسلم مملکت کا نام پاکستان تجویز کیا۔ پھر اس کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کی بادشاہی مسجد کے پہلو میں منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) کے وسیع و عریض میدان میں پچاس ہزار مسلمانوں نے "قرار دادِ لاہور" منظور کی۔ یہ قرار داد شیرِ بنگال مولوی فضل الحق وزیرِ اعلیٰ بنگال نے پیش کی۔ اس قرار داد پر ہندوؤں نے بہت شور و غوغا کیا : ہندوؤں کے ـــــ اخبارات نے بڑی بے شرمی اور تلخی کے ساتھ اُلٹی تہمت طرازیاں شروع کر دیں۔ حقیقت میں یہ ہندو اخبارات ہی تھے، جنھوں نے لاہور کی قرار داد کو پاکستان کا مطالبہ کہہ کر مطعون کیا۔ انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے طنزاً اسے "قرار دادِ پاکستان" کا نام دیا، جسے مسلمانوں نے قبول کیا اور یہ قرار داد اسی نام سے مشہور ہوئی۔"

ریحان :۔ "پھر کیا پاکستان آسانی سے حاصل ہو گیا، سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی :۔ (مُسکرا کر) "نہیں ننھے بھائی! اس کے بعد سات سال کی ایک طویل صبر آزما اور مسلسل جدّوجُہد کا دور ہے۔ جدّوجُہدِ پاکستان کے یہ سات سال بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ سات سال فیصلہ کن ثابت ہوئے اور مسلمان اپنی منزلِ پاکستان کے قریب تر آ گئے۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو برطانوی وزیرِ اعظم نے انگلستان کی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے مقرّر کر دیا گیا۔"

مہناز :۔ "وہ تو جواہر لال نہرو کا دوست تھا، نا سکندر بھائی؟"

سکندر بھائی :۔ (اثبات میں سر ہلاتے ہوئے) "ہاں۔ اسی لیے کانگرس نے اس کے تقرّر کا بہت زیادہ خیر مقدم کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے یہاں کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا اور تقسیمِ ہند کی اسکیم تیّار کی۔ اس نے اس تقسیم میں ہندوؤں سے

اپنی دوستی کو نبھاتے ہوئے مسلمانوں سے امتیازی سلوک کیا۔ اور وہ علاقے بھی، جو پاکستان کے حصے میں آنے چاہئیں تھے، ہندوستان میں شامل کر لیے۔"

صبا: (افسوس بھرے انداز میں) "یہ تو سخت بے ایمانی تھی۔"

سکندر بھائی: "یہ بہت مناسب لفظ ہے، خیر جولائی، ۱۹۴۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے برِصغیر کی آزادی کا قانون منظور کر دیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا کہ چونکہ جون ۱۹۴۸ء دور ہے، اس لیے انگریزی حکومت ۱۵ اگست، ۱۹۴۷ء تک انتقالِ اختیارات کے بعد ہندوستان کو خیرباد کہہ دے گی۔ چنانچہ ۱۴ اگست، ۱۹۴۷ء کو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پہلے کراچی آکر حکومت منتقل کرنے کی رسم ادا کی اور پاکستان قائم ہوا۔ اگلے روز ۱۵ اگست کو دہلی میں بھارتی حکومت کو اختیارات منتقل کئے گئے۔ یوں دو سو سالہ غلامی کے بعد مسلمانوں نے اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کیا اور دُنیا کے نقشے پر سب سے بڑی اسلامی ریاست پاکستان نمودار ہوئی۔"

صبا: "ہمیں چاہیئے کہ آزادی کی اس نعمت کی قدر کریں۔"

سکندر بھائی: "بالکل۔ پاکستان ...!"

(سارے ایک آواز میں) "زندہ باد!"

آنکھ مچولی کا ایک اور نیا مفید سلسلہ

مجھے ابوّ سے شکایت ہے

- ابوّ مجھے جیب خرچ نہیں دیتے
- وہ مجھے کھیلتا دیکھ کر ڈانٹتے ہیں۔
- وہ دوسرے بچوں سے پیار کرتے ہیں اور مجھے نظر انداز کر دیتے ہیں

یہ اور اس طرح کی دوسری شکایتیں کسی بچے کو بھی — اپنے ابوّ سے ہو سکتی ہیں۔

کیا آپ کو بھی اپنے ابوّ سے کوئی شکایت ہے؟ اگر ہے تو ہمیں لکھ بھیجیے:

آپ کی شکایت معقول اور مختصر ہونی چاہیئے

اگر آپ اپنا نام شائع نہ کرانا چاہیں تو ہمیں اس سے بھی مطلع کیجیے۔

بموں کے دھماکوں سے پورا ملک دہل رہا تھا۔ تخریب کار عناصر جلاؤ گھیراؤ اور توڑ پھوڑ میں مصروف تھے۔ — بدامنی اور انتشار نے پورے ملک کو گھیر رکھا تھا — لیکن یہ سب کیوں تھا؟ یہ سب کیا تھا ؟

ملک میں ہونے والی تخریب کاری کے پس منظر میں ایک دلچسپ اور فکر انگیز سلسلہ وار ناول

دھماکہ

آئندہ مہینے سے "آنکھ مچولی" میں ملاحظہ فرمائیے۔

قدم قدم پر مہم جوئی، اور تجسس — غیر ملکی ایجنٹوں کی ریشہ دوانیاں، غداری اور حب الوطنی کی ناقابل فراموش کہانی،

اظہر نیاز کا یہ ناول بچوں کے ادب میں ایک اہم اضافہ ہوگا!

باصلاحیت اور غیر معمولی بچوں سے دوسرے ساتھیوں کو متعارف کرانے کے لئے

آئندہ مہینے سے ہم ایک نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ اس میں ملک بھر سے کوئی بھی ساتھی اپنا تعارف ارسال کر سکتا ہے۔ تعارف بھیجنے سے قبل اِن باتوں کو ذہن میں رکھیے

نئے چراغ

آنکھ مچولی کا نیا سلسلہ

- کیا آپ اپنے اسکول میں اوّل آئے ہیں ؟
- کیا آپ نے کبھی بڑا انعام حاصل کیا ہے ؟
- کیا آپ نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے ؟
- کیا آپ نے کوئی چیز ایجاد کی ہے ؟
- یا کوئی نئی اور معلوماتی بات دریافت کی ہے ؟

تو آج ہی اپنے کام کی تفصیل اپنی تصویر اور ہیڈ ماسٹر کے تصدیق نامے کے ساتھ ہمیں بھیج دیجئے۔ ہم ضرور شائع کریں گے۔

پروین جہاں

پہلا قتل

اس زمانے میں دنیا بہت مختصر سی تھی نہ بہت زیادہ لوگ تھے نہ ہی آج کل کی طرح عیش و آرام تھے۔ لوگ کھیتی باڑی کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ اسی دور کے دو بھائیوں کا ہم آپ کو قصہ سنا رہے ہیں ان دونوں بھائیوں میں چھوٹا بہت شرارتی اور ضدی تھا جب کہ بڑا بھائی بہت نیک اور شریف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے والد بڑے بھائی کو بہت پسند کرتے تھے اور چھوٹے کی شرارتوں اور ضدوں سے تنگ آ چکے تھے۔

اس دور میں چونکہ انسان نیا نیا دنیا میں آیا تھا اس لئے آبادی بھی کم تھی اور صرف دنیا میں ایک ہی خاندان آباد تھا۔ خاندان ہی میں آپس میں شادیاں ہوتی تھیں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی۔ اسی خاندان میں دو بچیاں پیدا ہوئیں جب یہ بڑی ہو گئیں تو باپ کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ انہوں نے سوچا کہ ان دونوں بھائیوں میں سے بڑے بھائی کے ساتھ چھوٹی لڑکی کی شادی کر دی جائے اور چھوٹے بھائی کے ساتھ بڑی لڑکی کی شادی ہو جائے گی۔

چھوٹی لڑکی بہت خوبصورت تھی جب کہ بڑی لڑکی معمولی سی شکل وصورت کی مالک تھی چنانچہ چھوٹے بھائی نے ضد کی کہ وہ بڑی لڑکی کی بجائے چھوٹی سے شادی کرے گا کیونکہ وہ خوبصورت ہے باپ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے لڑکے کو بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑ گیا باپ اس چھوٹے لڑکے کی بے جا ضد سے تنگ آ چکا تھا۔ باپ نے اسے سمجھایا کہ اس کی اس ضد سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ یہ اس کے قانون کے خلاف ہے لیکن چھوٹا لڑکا کسی صورت نہ مانا۔ آخر باپ نے تنگ آ کر کہا اچھا تم دونوں اللہ کی راہ میں قربانی کرو اور اپنی اپنی قربانی سامنے والی پہاڑی پر رکھ آؤ۔ اللہ جس کی بھی قربانی قبول کرے گا ہم چھوٹی لڑکی کی شادی اس سے کر دیں گے۔ بڑا لڑکا جانور چرایا کرتا تھا چنانچہ اس نے ایک صحت مند بکرا قربان کر دیا کیونکہ وہ بڑا نیک دل آدمی تھا لیکن چھوٹا شریر ہونے کے ساتھ ساتھ کنجوس بھی تھا۔ وہ کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اس نے اپنے

غلّے میں سے کم اچھے دانے جمع کئے اور قربانی کیلئے لے آیا بڑے نے اپنا جانور ذبح کر کے اس کا گوشت اور چھوٹے نے اپنا اناج پہاڑی پر رکھ دیا۔ خاندان کے سارے لوگ پہاڑی کے پاس جمع ہو کر دیکھنے لگے کہ کس کی قربانی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔

سب نے دیکھا کہ ایک بڑا سا شعلہ آسمان سے اُترا۔ ایک لمحے کے لئے دونوں کی قربانیوں کے درمیان رُکا اور بڑے بھائی کی قربانی والا گوشت جلا کر غائب ہو گیا۔ آگ جب واپس چلی گئی تو سب نے بڑے بھائی کو مبارکباد دی کیوں کہ اس کی قربانی قبول ہو چکی تھی۔ چھوٹے بھائی کو اس واقعے سے بڑی شرمندگی ہوئی اور وہ سوچنے لگا اگر پہلے ہی باپ کی بات مان لی ہوتی تو پورے خاندان کے سامنے یوں شرمندگی نہ اٹھانا پڑتی۔ چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے حسد کرنے لگا حالانکہ حسد کرنا بہت بُری بات ہے اور حسد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ قطعی پسند نہیں کرتا۔

شیطان نے اس شرارتی نوجوان کو بہکانا شروع کیا اور کہنے لگا کہ تیرے باپ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے اور سارے خاندان میں تجھے رسوا کر دیا۔ سب تجھے بُرا سمجھنے لگے ہیں تجھے شرمندہ کرنے والوں میں تیرے بڑے بھائی کا بھی ہاتھ ہے چھوٹا بھائی کم عقل تو تھا ہی فوراً شیطان کی باتوں میں آگیا اور اپنے بھائی کو دشمن سمجھنے لگا اور فیصلہ کر لیا کہ اس زیادتی کا بدلہ ضرور لے گا۔ اب وہ بڑے بھائی سے بدلہ لینے کا موقعہ تلاش کرنے لگا۔ ایک دِن کیا ہوا کہ چھوٹا بھائی پہاڑی پر گیا جہاں قربانی دی تھی کیا دیکھتا ہے کہ بڑا بھائی ایک پتھر سے ٹیک لگائے سو رہا ہے شاید وہ جانور چراتے چراتے بہت تھک گیا تھا اس لئے آنکھ لگ گئی۔ چھوٹے بھائی نے اِدھر اُدھر دیکھا جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر بڑے بھائی کے سر پر دے مارا۔

بیچارہ بڑا بھائی شدید چوٹ لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ حالانکہ چھوٹا اسے مارنا نہیں چاہتا تھا صرف معمولی سی سزا دینا چاہتا تھا لیکن شیطان نے اسے اتنا بہکایا کہ غصّے میں اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ اب جب بھائی مر گیا تو وہ بہت پریشان ہوا کہ خاندان والوں کو کیا جواب دے گا۔ وہ پریشان اِدھر اُدھر گھبرایا ہوا پھرتا رہا کیا دیکھتا ہے کہ سامنے ایک کوّا بیٹھا اپنے پیروں سے زمین کھود رہا ہے جب تھوڑا سا گڑھا کُھد گیا تو کوّے نے واپس اپنے پیروں سے مٹی کو گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اُڑ گیا۔ چھوٹے نے جب یہ دیکھا تو فوراً ترکیب سمجھ میں آگئی اس نے زمین میں گڑھا کھودا اس میں بھائی کی لاش ڈال کر گڑھا واپس بند کر دیا اس طرح بڑے بھائی کی لاش چھپا دی اور چل دیا۔ اب

اسے اپنی اس حرکت پر بڑی شرمندگی ہو رہی تھی اور دِل ہی دِل میں خود کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اس گھبراہٹ میں اچانک اس کا پیر پھسل گیا اور وہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ وہاں اس کا سر بھی ایک بڑے پتھر سے ٹکرا کر پھٹ گیا اور وہ بُری طرح زخمی ہو گیا اور سوچنے لگا "جیسی کرنی ویسی بھرنی" مجھے میرے گناہ کی سزا ملی ہے۔

اس بڑے بھائی جسے قتل کر دیا گیا اس کا نام ہابیل تھا اور یہ ضدّی چھوٹا بھائی قابیل تھا۔ دونوں حضرت آدمؑ کے بیٹے تھے دنیا میں سب سے پہلا قتل ہابیل کا ہوا تھا۔

بادشاہ کی مجبوری

ایک بادشاہ کسی فقیر کی خدمت میں شاہی کھانا لے کر حاضر ہوا۔ اور کھانا کھانے کی درخواست کی، فقیر نے ایک آئینہ منگوایا اور مرغن شاہی کھانوں میں سے ایک کھانا لے کر اس پر مَل دیا۔ آئینہ دھُندلا پڑ گیا۔ پھر اس نے آئینے پر اپنی جَو کی خشک روٹی مَلی تو آئینہ صاف ہو گیا۔ فقیر بولا "آپ کے کھانے آئینۂ دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ مجھے اس سے معاف فرمایا جائے۔"

بادشاہ نے کہا "میرے لائق کوئی کارِ خدمت ہو تو بتلائیے۔"

فقیر نے کہا "یہ مکھیاں اور مچھر مجھے بہت پریشان کرتے ہیں۔ ان کو حکم دیجئے کہ مجھے نہ ستائیں۔"

بادشاہ نے کہا "میرے حکم سے تو یہ منع نہیں ہو سکتے۔"

فقیر نے کہا "جب یہ حقیر ترین جانور آپ کا کہا نہیں مان سکتے تو پھر میں آپ سے کس چیز کے لئے مدد حاصل کروں۔" آخر بادشاہ مایوس ہو کر واپس لوٹ گیا۔

مرسلہ: منوّر سلطانہ ——— کراچی

خوشبودار مینار

مراکش میں ایک عظیم الشان مسجد ہے جس کے فلک بوس مینار سے بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔ موحدین کے تیسرے فرمانروا یعقوب المنصور نے الفانسو ہشتم کو اسپین کے مقام الارکو میں شکست دی تو فتح کی یاد میں یہ مسجد بنوائی۔ اس کے حکم پر گارے میں مشک کی نوسو ساٹھ بوریاں ڈالی گئیں تاکہ وہ خوشبودار ہو جائیں یہی وجہ ہے کہ اس مینار سے آج تک خوشبو آتی ہے۔

مرسلہ: سیّد اسلم شاہ، سکھر

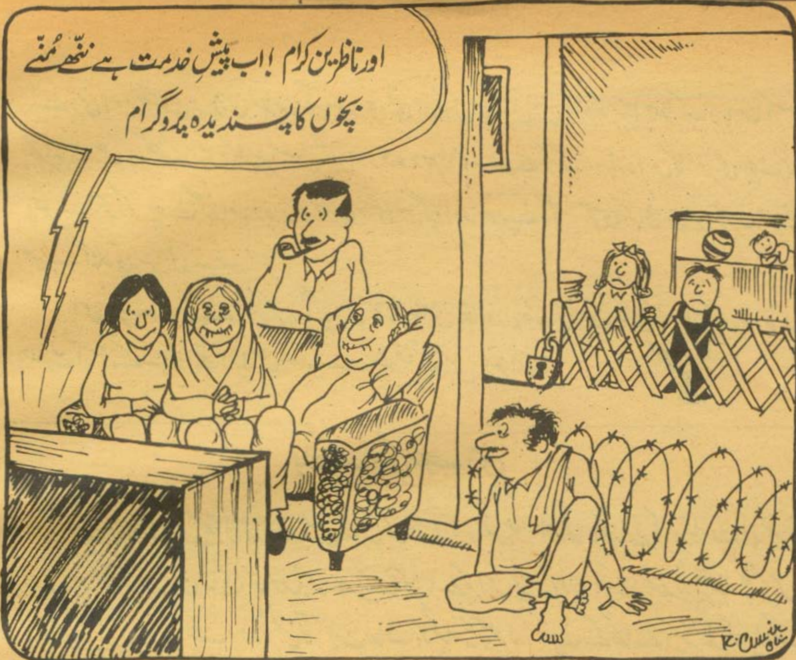
اور ناظرین کرام! اب پیشِ خدمت ہے ننھے منے
بچوں کا پسندیدہ پروگرام

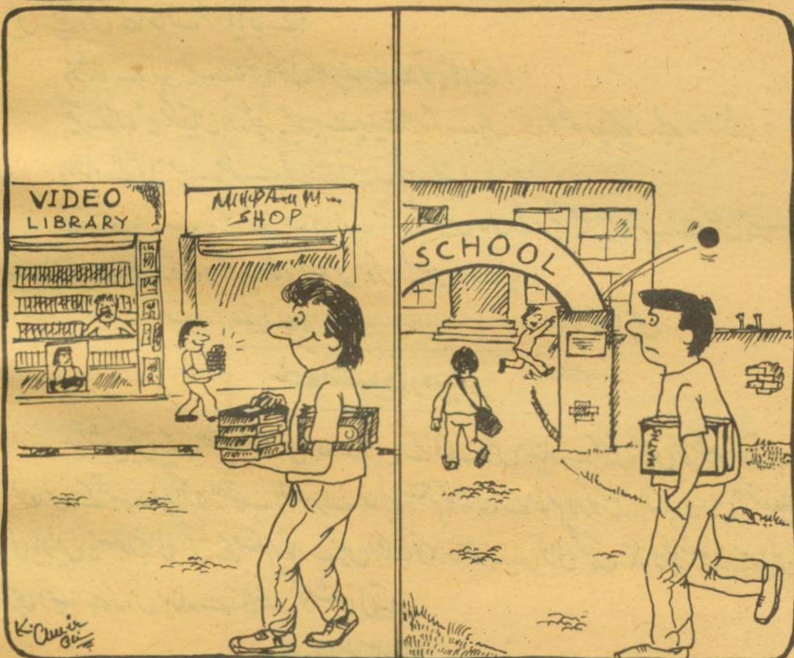
VIDEO LIBRARY
SHOP
SCHOOL
MATHS

ابوُاسماء

جعلی حکیم

کسی زمانے میں مصر میں دریائے نیل کے کنارے "قریۃ الحارث" نام کا ایک گاؤں واقع تھا۔ اس میں ایک جولاہا ابوبصیر رہتا تھا۔ جس کے بُنے ہوئے کپڑے کی دور دور تک دُھوم تھی، اس کی اُجرت دوسرے جولاہوں سے زیادہ ہوتی تھی مگر اس کے باوجود دور دراز علاقوں سے لوگ کپڑا بُنوانے کے لئے اُس کے پاس آتے تھے۔ لوگ کہتے تھے جو صفائی ابوبصیر کے ہاتھ میں ہے، وہ کسی اور کے ہاتھ میں نہیں۔

ابوبصیر کی اولاد میں صرف ایک لڑکا ہی تھا اور وہ بھی بے حد نکما اور شیطان! بے جا نازبرداریوں نے اُسے ضدی اور آوارہ بنا دیا تھا۔ دن بھر گلیوں اور بازاروں میں آوارہ گردی کے علاوہ اُسے کوئی کام نہ تھا۔

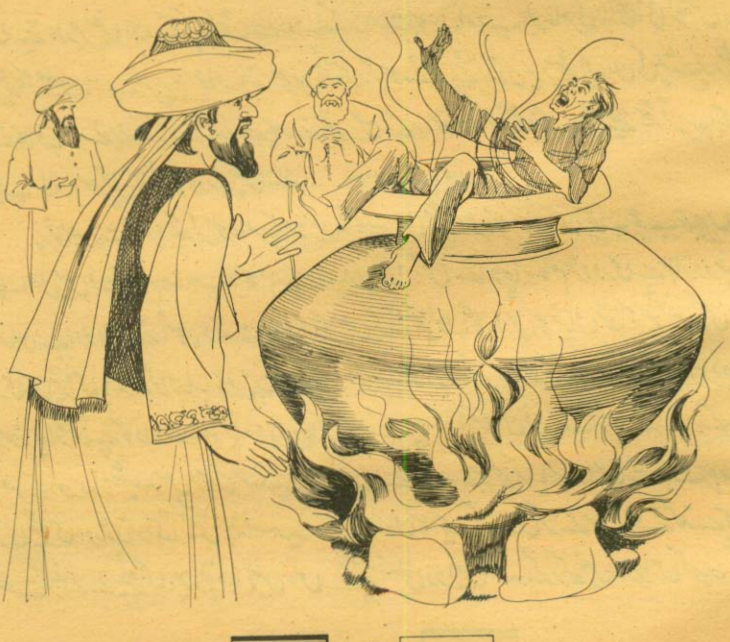

اُس نے نہ تو اپنے باپ دادا کا فن سیکھا اور نہ ہی کوئی دوسرا ہنر سیکھا، اُس لڑکے کا نام ابو عامر تھا۔ جب تک ابو عامر کا باپ زندہ رہا وہ خوب مزے اُڑاتا رہا۔ لیکن جب اس کے والد ابو بصیر کا انتقال ہو گیا تو باپ کی جمع پونجی ابو عامر نے شاہ خرچیوں میں اُڑا دی، ہوتے ہوتے نوبت فاقوں تک جا پہنچی۔

بچپن کا زمانہ تعلیم حاصل کرنے اور ہنر سیکھنے کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور ابو عامر بچپن کھیل کود اور آوارہ گردی میں ضائع کر چکا تھا۔ اب جو اس کے سر پر ذمّہ داریوں کا بوجھ آیا تو وہ بے حد پریشان ہو گیا۔ وہ نہ تو کاریگر تھا کہ کسی کارخانے میں ملازمت کر لیتا اور نہ ہی وہ تعلیم یافتہ تھا کہ کسی مدرسے میں استاد لگ جاتا چنانچہ اب ٹوکری اور اینٹ مسالا اُٹھانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ابو عامر کو جب بھاری ٹوکری اٹھانی پڑی تو اُسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا اُس نے تو کبھی کام کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ وہ سر پر بھاری ٹوکری کیسے اُٹھاتا وہ تو ناز و نعم میں پلا ہوا تھا۔ صبح سے شام تک مزدوری کیسے کرتا نتیجہ یہ نکلا کہ ابو عامر چند ہی روز میں بیمار پڑ گیا۔ اس نے ایک دن کی چھٹی کی اور دوا کے لئے شہر کے مشہور حکیم کے پاس چلا گیا۔ جب ابو عامر حکیم صاحب کے پاس پہنچا تو وہاں مریضوں کا ہجوم تھا ہر مریض اپنی باری پر اندر جاتا۔ حکیم صاحب نبض دیکھتے، مرض کی تشخیص کرتے اور پرچی پر مناسب دوا لکھ کر مریض کے حوالے کر دیتے اور مریض ان کے کمپاؤنڈر سے دوا لے کر رخصت ہو جاتا۔ جب ابو عامر کی باری آئی تو اُس نے دیکھا کہ حکیم صاحب سر پر بڑا عمامہ باندھے لمبا چغہ پہن کر موٹے موٹے گدّوں پر بیٹھے ہیں ان کی پشت پر ریشم کے غلاف والے بڑے بڑے تکیے رکھے ہوئے تھے۔ جن کے ساتھ وہ کبھی کبھی ٹیک لگا لیتے تھے قریب ہی ایک ملازم مورچھل کا خوبصورت پنکھا لئے --- ہوا دے رہا تھا۔

یہ خوبصورت منظر دیکھ کر ابو عامر کے منہ میں تو جیسے پانی آ گیا اس کا عیاّر ذہن عجیب عجیب تدبیریں سوچنے لگا۔ اصل میں اسے حکیم صاحب کا کام بے حد پسند آیا تھا۔ اُس نے سوچا یہ کام مزدوری سے ہزار درجہ آسان ہے، ابو عامر نے اُسی وقت طے کر لیا کہ میں بھی حکیم بنوں گا، اس کا خیال تھا کہ جو شخص بھی سر پر بڑی سی پگڑی باندھ کر اور لمبا چغہ پہن کر مسند پر بیٹھ جائے، وہ حکیم بن سکتا ہے۔ چنانچہ ابو عامر مزدوری چھوڑ چھاڑ کر اپنے گاؤں روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر اُس نے اپنا آبائی مکان فروخت کر دیا اور اُس کے بدلے مصر کے دور دراز شہر میں مکان خرید لیا، مزدوری سے اُس نے جو کچھ کمایا تھا۔ اس سے ایک بہت بڑی پگڑی اور چمکتا دمکتا قیمتی چغہ خریدا اور اپنے مکان کا ایک کمرہ خالی کرا کے موٹے موٹے گدّے بچھا کر حکمت کرنے کے لئے بیٹھ گیا۔ چند تولوں میں اس نے کچھ سستی دوائیں خرید کر رکھ لیں اور اس کمرے کی

چھت پر ایک کونے میں نمایاں جگہ پر بورڈ لکھوا کر لگا دیا "مطب حکیم ابو عامر ..... مرض کا فوری اور سستا علاج کیا جاتا ہے۔"

آہستہ آہستہ بھولے بھالے لوگ ابو عامر کے بچھائے ہوئے جال میں پھنسنے لگے، جو بیمار وہاں آتے وہ محض اٹکل سے ان میں سے کسی کو عرقِ گلاب دے دیتا اور کسی کو پسی ہوئی سونف اور اجائن دے دیتا یوں اس کا کاروبار چل نکلا اور آمدنی میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کی بیوی نے اس کو بہت سمجھایا کہ بھلے آدمی حکمت کرنا ہم جولاہوں کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑے تجربے اور علم کی ضرورت ہے ایسا نہ ہو کہ کسی کی جان چلی جائے یا کسی کو نقصان ہو جائے ایسی صورت میں لینے کے دینے پڑ جائیں گے مگر ابو عامر نے بیوی کی ایک نہ سنی اور اپنے دھندے میں مصروف رہا۔ کچھ بیماروں کو اس کی دی ہوئی دوا سے فائدہ ہو گیا جس کی وجہ سے اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ جن لوگوں کو فائدہ نہ ہوتا وہ یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ اللہ ہی کو منظور نہ ہو تو حکیم صاحب کیا کر سکتے ہیں۔ ایک دفعہ شہر کے ایک بہت بڑے رئیس کی بیوی بیمار ہو گئی۔ حقیقت میں اسے کوئی بیماری نہ تھی۔ اُسے بس وہم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بیمار سمجھ رہی تھی ابو عامر اگرچہ جاہل تھا مگر تھا بڑا ذہین اور عیار! وہ فوراً سمجھ گیا کہ عورت وہمی ہے اس نے اُسے چالیس روز تک عرقِ گلاب پینے کے لئے کہا وہ ہر ہفتے اسے یقین دلاتا رہا کہ تم صحت مند ہو رہی ہو۔ اور تمہاری بیماری کے دن اب ختم ہو چکے ہیں اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ چالیس روز گزرنے پر واقعی وہ عورت ٹھیک ہو گئی۔ اب تو پورے ملک میں ابو عامر کا طوطی بولنے لگا۔ ابو عامر کی عزّت و شہرت کو چار چاند لگ گئے۔ مصری عوام اس کا نام بڑے اَدب و احترام سے لینے لگے اور ہر جگہ اسکی آؤ بھگت ہونے لگی

پھر ایک واقعہ ایسا رُونما ہوا کہ جس نے ابو عامر کو شاہی حکیم بنا دیا۔ ہوا یوں کہ مصر کے بادشاہ کی والدہ کافی عرصے بیمار تھی بادشاہ کو اپنی والدہ سے بے حد محبت تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ماؤں کی خدمت کو دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ والدہ کے علاج معالجے پر بادشاہ نے پانی کی طرح پیسہ بہایا اور بڑے بڑے حکیموں سے علاج کرایا۔ مگر اس کی تکلیف مکمّل طور پر دور نہ ہوئی۔ اگرچہ اُسے کافی افاقہ محسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہ پوری طرح تندرست نہیں ہو پا رہی تھی۔ جب ابو عامر کی شہرت شاہی محل تک پہنچی تو بادشاہ نے اُسے اپنے دربار میں بلوایا اور ایک معزز مہمان کی طرح اس کا پرتپاک استقبال کیا۔

ابو عامر نے جب بادشاہ کی والدہ کا معائنہ کیا تو اس نے محسوس کیا کہ وہ دوسرے حکیموں کے علاج سے تندرست ہو چکی ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بیمار سمجھ رہی ہے۔ اس لئے ابو عامر نے اُسے طاقت دینے والی غذائیں کھلائیں اور صبح شام مرغ کی یخنی پلائی جس کی وجہ سے ٹھیک ٹھاک

ہو کر چلنے پھرنے لگی۔ بادشاہ کو ابو عامر کے ہاتھوں اپنی والدہ کی صحت یابی پر اس قدر خوشی ہوئی کہ اُس نے فوری طور پر ایک عام اعلان کے ذریعے حکیم ابو عامر کو شاہی معالج مقرّر کر دیا۔ اُسے رہنے کے لئے ایک خوبصورت مکان دے دیا گیا اور بہت بڑا شفا خانہ اس کے لئے تعمیر کرا یا گیا۔

ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا۔ ابو عامر کے گاؤں کے رہنے والے چند لوگ بادشاہ سے ملنے کے لئے۔۔۔ اس کے دربار میں آئے۔ وہاں انہوں نے ابو عامر کو دیکھا اور پہچان لیا مگر ابو عامر ان سے سرد مہری اور تکبّر سے پیش آیا۔ ان لوگوں کو یہ دیکھ کر بڑا تعجّب ہوا کہ شاہی دربار میں ابو عامر کی خوب آؤ بھگت ہو رہی ہے اور یہاں اُسے شاہی حکیم کا درجہ حاصل ہے۔ انہوں نے بادشاہ کو خیر خواہی کی غرض سے بتایا کہ یہ ہمارا خاندانی جولاہا ہے اسے حکمت اور طب کا کچھ علم نہیں ہے مگر بادشاہ کسی طرح ان کی بات تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور ابو عامر نے تو صاف کہہ دیا کہ نہ تو میں ان لوگوں کو جانتا ہوں اور نہ ہی ان لوگوں کے گاؤں کا رہنے والا ہوں، کافی بحث و تکرار کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ ابو عامر کا امتحان لے لیا جائے، ابو عامر پہلے تو امتحان دینے پر رضامند نہ ہوا اس کا کہنا تھا کہ چند جاہلوں کے کہنے پر شاہی طبیب کا امتحان نہیں لیا جا سکتا مگر جب بادشاہ کی جانب سے بہت زیادہ اصرار ہوا تو وہ امتحان کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر اُس نے یہ شرط رکھی کہ میں عملی امتحان دوں گا کیونکہ علمی امتحان کی صورت میں اشیائے خواص اور بیماریوں کی علامات کے بارے میں میرے جوابات اتنے مشکل ہونگے کہ ہر کوئی سمجھ نہ سکے گا اور عملی امتحان کی صورت یہ ہوگی کہ مصر کے سب سے بڑے اسپتال میں نئے پُرانے جتنے بیمار ہیں میں ان سب کو چند منٹوں کے اندر صحیح کر دوں گا، سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا، ابو عامر نے یہ شرط بھی لگائی کہ اسپتال میں میرے ساتھ کوئی نہیں جائے گا۔ کیونکہ اس طرح میرے کام میں خلل پڑے گا۔ اس کی یہ شرط بھی مان لی گئی۔

اسپتال پہنچ کر ابو عامر نے دو من۔۔ سرسوں کا تیل منگوایا اور ایک بہت بڑی دیگ میں ڈال کر اس کے نیچے بہت تیز آگ جلا دی۔ جب تیل اچھی طرح کھولنے لگا تو اس نے تمام بیماروں کو اپنے پاس جمع کر لیا۔ پھر ان سب سے پوچھا کہ تم میں۔۔ سب سے زیادہ بیمار کون ہے۔ ایک کمزور اور لاغر بدن والا شخص ہانپتا کانپتا آگے بڑھا اس کا چہرہ بیماری کی وجہ سے زرد ہو چکا تھا! آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں، جسم سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا اس شخص نے مریل سی آواز میں درخواست کی "حکیم صاحب میں سب سے زیادہ بیمار ہوں۔ پہلے میرا علاج کیجئے"۔ ابو عامر کہنے لگا "میں اپنے ذاتی تجربے کی

بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہارا علاج صرف یہ ہے کہ تم اس کھولتے ہوئے تیل میں صرف پانچ منٹ کے لئے بیٹھ جاؤ" وہ بیمار شخص ہاتھ جوڑنے لگا اور خدا رسول کے واسطے دے کر کہنے لگا" حکیم صاحب مجھ پر ترس کھائیں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ میں مر گیا تو ان کا خیال کون رکھے گا۔ اور ویسے بھی اب میں کافی افاقہ محسوس کر رہا ہوں۔ اب مجھے علاج کی ضرورت نہیں ہے" مگر ابو عامر برابر اصرار کرتا رہا۔ "تمہیں مکمّل علاج کے لیئے کچھ دیر دیگ میں بیٹھنا ہی پڑے گا" وہ مریل شخص جو چل بھی نہیں سکتا تھا اکڑ کر بالکل سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا" دیکھ لیجئے میں مکمّل طور پر صحت مند ہو چکا ہوں۔ مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہے"۔ ابو عامر کہنے لگا" تیزی سے بھاگتے ہوئے اسپتال سے نکل جاؤ اور لوگوں کو یہ بتاتے ہوئے جاؤ کہ میں حکیم صاحب کے علاج سے ٹھیک ہوا ہوں" چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد ابو عامر نے دوسرے مریض کو بلایا اور اسے بھی دیگ میں بیٹھنے کے لئے کہا وہ بیمار بھی رو رو کر منّت سماجت کرنے لگا۔ اور کہنے لگا" حکیم صاحب میں تو رات ہی کو تندرست ہو گیا تھا۔ بس سر میں کچھ درد تھا۔ وہ بھی اب ٹھیک ہو گیا ہے"۔ ابو عامر کہنے لگا" پھر یہاں کیوں لیٹے ہو" اس نے جواب دیا" حضور بس ایسے ہی نیند آگئی تھی اس لیے ذرا سی دیر کے لئے لیٹ گیا ورنہ میں تو جانے ہی والا تھا اگر آپ تشریف نہ لاتے تو میں کب کا جا چکا ہوتا"۔ ابو عامر نے اُسے بھی وہی کہا جو پہلے مریض کو کہا تھا اور اسپتال سے چلتا کر دیا۔

اسی طرح ابو عامر ایک ایک مریض کو بلاتا رہا اور اسے کھولتے ہوئے تیل میں بیٹھنے کے لئے کہتا رہا۔ مگر ہر کسی نے یہی جواب دیا کہ" میں تندرست ہو چکا ہوں" اور کوئی بیمار۔۔ بھی حکیم ابو عامر کے اس خطرناک علاج کے لئے تیار نہ ہوا تھوڑی ہی دیر میں اسپتال خالی ہو گیا اور لوگوں نے دیکھا کہ وہ بیمار جو بستر سے بھی نہیں اٹھ سکتے تھے، وہ یکے بعد دیگرے بھاگتے جا رہے تھے اور پوچھنے والوں کو بتاتے جا رہے تھے کہ شاہی حکیم بہت ماہر ہے ہم اس کے علاج سے منٹوں میں تندرست ہو گئے ہیں۔ بادشاہ کے خوف اور شرم کے مارے اصل حقیقت کوئی بھی نہ بتاتا تھا۔

ابو عامر کی چال اتنی کامیاب رہی کہ اصل حقیقت کا کسی کو پتہ نہ چل سکا اور شاہی دربار میں اس کی عزت پہلے سے بھی زیادہ ہو گئی بادشاہ نے اُن لوگوں کو دربار سے ذلیل کر کے نکال دیا جو اسے خاندانی جولاہا بتاتے تھے۔ وہ بیچارے قسمیں کھاتے رہے کہ ابو عامر واقعی خاندانی جولاہا ہے نیز حکمت اور علاج معالجہ کی اُسے کچھ بھی خبر نہیں مگر بادشاہ حکیم ابو عامر سے اتنا متاثر اور مرعوب ہو چکا تھا کہ ان دیہاتیوں کی سچّی باتوں کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور

اس نے ابو عامر کو بدستور شاہی طبیب کے منصب پر فائز رکھا۔

ابو عامر یہ ناٹک رچانے کے بعد اونچے اونچے خواب دیکھنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی دھوکے بازی کا علم کسی کو کبھی نہ ہو سکے گا۔ لیکن اس کا خیال غلط تھا کیونکہ جھوٹ ایک نہ ایک دن لوگوں پر ظاہر ہو کے رہتا ہے اور پھر جھوٹا کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا اس طرح وہ نہ صرف یہ کہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوتا ہے بلکہ اس کی آخرت بھی خراب ہو جاتی ہے۔

ابو عامر کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ ہوا یہ کہ ایک دفعہ بادشاہ کا اکلوتا بیٹا بیمار ہو گیا، بادشاہ کو چونکہ ابو عامر کی مہارت پر اندھا اعتماد تھا...... اس لئے اس نے اپنے بیٹے کا علاج کرنے کا اُسے ہی حکم دیا۔ ابو عامر جانتا تو کچھ تھا نہیں اُس نے محض اٹکل سے بازار سے خرید کر شہزادے کو ایک غلط دوا دے دی جس سے وہ اور زیادہ بیمار ہو گیا۔ بادشاہ نے جب ابو عامر سے اس کے متعلق دریافت کیا تو وہ بادشاہ کو جھوٹی تسلیاں دینے لگا۔ اور کہنے لگا "یہ وقتی اثر ہے چند دنوں میں شہزادہ بالکل تندرست ہو جائے گا"۔ مگر ایسا نہ ہو سکا اور شہزادے کا مرض دن بدن بڑھتا چلا گیا اور بالآخر وہ ایک دن اچانک فوت ہو گیا۔

بادشاہ پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا کیونکہ ہلاک ہونے والا اس کا اکلوتا بیٹا تھا اور اسے اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت تھی۔ بادشاہ نے ابو عامر کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا، شاہی عدالت میں اُس پر مقدمہ چلایا گیا، کئی ہفتوں کی کارروائی کے بعد جج نے ابو عامر کو پھانسی کی سزا سنا دی۔ بادشاہ ابو عامر کو شاہی حکیم بنانے اور دیہاتیوں کی بات قبول نہ کرنے پر ساری زندگی پچھتاتا رہا مگر اس پچھتاوے سے اس کا بیٹا زندہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔

آنکھ مچولی کے پرانے شمارے کیسے منگائیں ؟

ہمیں بے شمار بچّوں کے ایسے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں جن میں انہوں نے 'آنکھ مچولی' کے پرانے شمارے بھیجنے کی فرمائش کی ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی "آنکھ مچولی" کی البم مکمل کر سکیں۔

جو ساتھی پرانے شمارے منگانا چاہتے ہیں وہ فی شمارہ ۵ روپے اور سالنامہ و خاص نمبر ۱۰ روپے کی شرح سے ماہنامہ 'آنکھ مچولی' کے پتہ پر منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر روانہ کر دیں۔ انہیں مطلوبہ شمارے فوراً روانہ کر دیئے جائیں گے۔

The
Perfect
Combination
AHMED'S
Tomato
Ketchup
AHMED
Taste of the tastiest tomatoes
—Ahmed Tomato Ketchup.

یہ بچّے کیسے بچّے ہیں؟

پہلے میں اِن بچّوں کی وجہ سے خُودکُشی کرنا چاہتی تھّی اب انہی کیلئے جینا چاہتی ہوں

ستیہ جیت رے
ترجمہ : آصف فرخی

قسط نمبر ۳

تلاش

اُس کی آنکھ کُھلی تو اُس پر انکشاف ہُوا کہ اُسے کچھ یاد نہیں۔ وہ اُس وقت سڑک کے کنارے ایک جنگل میں پڑا تھا اور اُس کے سر پر چوٹ آئی تھی۔ وہ اُٹھا اور گھسٹتا ہوا آگے بڑھا تو اُسے ایک ٹوٹی پھوٹی گاڑی نظر آئی جس کی اگلی اور عقبی سیٹ پر دو آدمی ساکت پڑے ہوئے تھے۔ وہاں سے وہ آگے چلا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اُسے کچھ یاد کیوں نہیں آ رہا ہے؟ راستے میں پیڑوں پر بنے ہوئے سیاہ اور سفید حلقوں کو سمجھنے کی کوشش سے اُس کا سر شدت سے درد کرنے لگا اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے پر اُس نے دیکھا کہ ایک آدمی اُسے دُودھ پیش کر رہا ہے۔ اُس آدمی نے اُس کا نام پوچھا تو وہ نہ بتا سکا۔ ایک اور آدمی کے مشورے پر اُسے پولیس اسٹیشن لے جایا جانے لگا۔ راستے بھر وہ لوگ اُس سے مختلف سوال کرتے رہے، مگر وہ ایک بات کا بھی جواب نہ دے سکا۔ وہ لوگ اُسے ایک ڈاکٹر کے پاس مرہم پٹّی کے لیے لے گئے۔ جہاں سے وہ غسل خانے کے راستے فرار ہو گیا۔ بھاگتے بھاگتے وہ ریل کی پٹڑی پر جا نکلا اور وہاں سے ایک اسٹیشن پہنچ گیا۔ ریل گاڑی آئی تو وہ اس میں سوار ہونے لگا۔ مگر بھیڑ ہونے کی وجہ سے سوار نہ ہو سکا اور ریل چل پڑی۔ وہ ریل کے ساتھ ساتھ بھاگنے لگا اور ایک کُھلے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ اُسی وقت اندر سے ایک بازو نکلا اور کسی نے اُسے اندر گھسیٹ لیا۔ اندر گھسیٹنے والے شخص نے بھی اس سے بہت سے سوال کیے، مگر وہ اسے بھی کچھ نہ بتا سکا۔ ہاں البتہ اس نے اپنا ایک فرضی نام ارمان احمد جمال بتایا۔ اس شخص کا نام ہارون الرشید تھا اور وہ ایک بازی گر تھا اور کرتب دکھاتا تھا۔ ہارون نے اُس سے کہا کہ وہ اُسے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ دوسری طرف ملک کے مشہور وکیل احمد علی دانیال اپنے بیٹے ببلو کی گمشدگی کے سلسلے میں انسپکٹر سے بات کر رہے تھے۔ انسپکٹر نے بتایا کہ چار آدمیوں نے ببلو کو اغوا کیا، راستے میں ان کی گاڑی کی ٹرک سے ٹکر ہو گئی۔ دو آدمی وہیں مر گئے اور دو آدمی سیمسن اور رگھوناتھ بھاگ گئے۔ ببلو گاڑی سے دُور جا گرا تھا۔ دانیال صاحب نے اس بات پر یقین نہیں کیا اور یہ کہہ کر انسپکٹر کے کمرے سے نکل آئے کہ اگر بدمعاشوں نے تاوان طلب کیا تو وہ رقم انھیں دے دیں گے۔ پھر پولیس مجرموں کو پکڑتی ہے یا نہیں یہ اس کا اپنا مسئلہ ہے۔ اب آپ آگے پڑھیے۔

شمالی کلکتہ میں نائی کی ایک گُم نام سی دکان میں کندھے سے کندھا ملا کر بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے کوئی بیس منٹ کے اندر اپنا حُلیہ بالکل ہی بدل لیا۔ دونوں میں سے زیادہ لمبے اور بھاری بھرکم آدمی کے کندھوں تک بال تھے اور چہرے پر داڑھی تھی۔ اس کے لحیم شحیم کندھوں کے لمس نے ننھو نائی کو چونکا دیا۔ اس کی داڑھی بالکل صاف کر دی گئی اور بال دس سال پہلے کے انداز میں تراش دیے گئے۔ دوسرے آدمی نے اپنی قلمیں منڈوا دیں اور اپنی مانگ دائیں سے بائیں کروالی۔ اس کی گھنی مونچھیں ہونٹوں کے اوپر ایک پتلی سی لکیر بن گئیں۔ ننھو اور اس کے نائب پرویز کو لپنے معاوضے کے علاوہ ایسی تندوتیز نظریں بھی جھیلنا پڑیں جو صاف صاف کہہ رہی تھیں کہ اپنا منہ بند رکھنا۔

اگلے بیس منٹ میں وہ دونوں سووا بازار سے نکلنے والی ایک گلی کے خستہ حال ایک منزلہ مکان کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ جُھرّیاں پڑے ہوئے ایک مُخنی سے بوڑھے نے دروازہ کھولا۔ دونوں میں سے زیادہ لمبے آدمی نے اس کے سینے پر انگلیاں چبھو دیں اور اس کو پیچھے دھکیلتا ہوا گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ دوسرا آدمی بھی پیچھے پیچھے اندر آ گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ دوپہر ہوئے دیر ہو چکی تھی اور کمرے میں بیس واٹ کے بلب کی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"یاد آیا میں کون ہوں، چچا میاں؟" بھاری بھرکم آدمی نے اس چرمرائے ہوئے چھوٹے سے بوڑھے پر جُھکتے ہوئے پوچھا۔۔۔

بوڑھے کی آنکھیں اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس کا سر اس زور سے ہل رہا تھا کہ اس کا قدیم لوہے کے تار والا چشمہ اس کی ناک سے پھسل پڑا۔

"میں۔۔۔اوں۔۔۔نہیں تو۔۔۔"

بھاری بھرکم آدمی بدمعاشی سے مسکرایا۔

"میں نے اپنی داڑھی مونڈ دی ہے، دیکھو۔" اس نے وہ چھوٹا سا سر چشمے سمیت، ہاتھوں میں تھام لیا اور اس کی ناک اپنے گالوں پر رگڑ ڈالی۔

"سونگھ رہے ہو، چاچا! حجامت کا صابن ہے؟ میرا نام سیمن ہے اب یاد آیا تمھیں؟"

سیمن نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی اور وہ بوڑھا، کانپتا ہوا، اپنی معمولی لکڑی کی مسہری پر ڈھیر ہو گیا۔

"بڑا افسوس ہے کہ آپ کے چین سے حقہ پینے کا وقت خراب کیا۔"

سیمن نے دیوار سے لٹکا ہوا حقّہ اٹھا لیا اور اس پر سے دہکتے ہوئے کوئلوں کا پیالہ الگ کر لیا۔ مسہری پر لکھنے کی نیچی میز دھری ہوئی تھی اور اس پر ایک جنتری کُھلی رکھی تھی۔ اس کے صفحوں پر ہشت پہلو شیشہ وزن کے لیے رکھا ہوا تھا۔ سیمن نے شیشہ ایک طرف پھینک دیا اور جلتے ہوئے کوئلے کتاب پر اُلٹ دیے۔ پھر اُس نے پیالہ ایک

کونے میں پٹخ دیا، ایک کرسی کھینچی جس کے ہتھے ٹوٹے ہوئے تھے ۔ اور اس نجومی کے عین سامنے بیٹھ گیا ۔

"اب بتاؤ مجھے، چاچا" اس نے کہا: "یہ تم قسمت کا حال بتانے کے نام پر گول مال کرتے ہو ؟ اگر تمھیں لوگوں سے پیسے ہی اینٹھنا ہیں تو سیدھے طریقے سے کیوں نہیں کرتے ؟"

بے چارے نجومی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کدھر دیکھے ۔ سُلگتی ہوئی جنتری میں سے اُٹھنے والا دھواں چھت کی کڑیوں کو چھُو رہا تھا ۔ جلے ہوئے کاغذ میں سوراخ بن گئے تھے ، اور جلتے ہوئے کاغذ کی بُو تمبا کو کی بُو میں گھُل مل گئی ۔

سیمسن سرگوشی کے انداز میں کہتا رہا ۔

"میں چند دن پہلے یہاں آیا تھا ۔ ہم بڑا کام کرنے والے ہیں ۔ میں نے تمھیں بتایا تھا ۔ ہمارے کام کے شروع ہونے کے لیے مناسب دن بتاؤ ۔ تم نے اپنی پوتھیوں کو ٹٹولا اور کہا تھا ۔ اساڑھ کے مہینے کا ساتواں دن ۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم اس کوّے تک کی قسمت کا حال بتا سکتے ہو جو تمھاری منڈیر پر آکر بیٹھ جاتا ہے ۔ اسی لیے ہم تمھارے پاس آئے تھے ۔ لوگوں نے جو کہا ، ہم نے اس پر یقین کیا ۔ تم نے اپنی بات کہی ، ہم سے دس روپے لیے اور اس صندوق میں ڈال دیے جو وہاں کونے میں رکھا ہے ۔ اور ہوا کیا ؟ تمھیں پتہ ہے ؟"

نجومی جلتی ہوئی جنتری سے نظریں نہیں اُٹھا پا رہا تھا ۔ رگھوناتھ نے اس کی ٹھوڑی میں ہاتھ دیا اور اس کا چہرہ سیمسن کی طرف پھیر دیا ۔ بوڑھے کا چشمہ اس کی مسہری پر اُچھال دیا اور اس کے پپوٹوں کو انگلیوں سے چیر دیا کہ اپنی ساری توجہ سیمسن کی طرف مبذول کر دے ۔

"اچھا ، تو میں بتاتا ہوں" سیمسن کہہ رہا تھا "ہم گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ مال ہمارے ساتھ تھا ۔ ہم بڑے آرام سے گاڑی چلاتے جا رہے تھے کہ اس منحوس ٹرک نے ٹکر مار دی ۔ گاڑی چکنا چوُر ، ٹرک غائب میرے دو ساتھی ختم ، اسی وقت مَر گئے ۔ میری ہڈیاں فولادی ہیں اس لیے ثابت نکل آیا ۔ مگر میرے گھٹنے کی ہڈی بال بال بچی اور اسے دیکھو ۔ میرا تیسرا ساتھی تین جگہ سے لہولہان ۔ سیدھی کروٹ سو نہیں سکتا اور مال جسے حاصل کرنے کے لیے ہم نے اتنی محنت کی تھی ! وہ بھی اُڑن چھُو ۔ اب مجھے بتاؤ ، تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ کیا ہونے والا ہے ؟"

"ہم لوگ دیوتا نہیں ہیں ، تم ۔۔۔"

"بکواس !"

رگھوناتھ نے بوڑھے کا سر چھوڑ دیا ، تو اسے کچھ آرام آیا ۔ باقی کام سیمسن خود سنبھال لے گا ۔

"اچھا ، چلو ، چاچا ۔ مال نکالو ۔ دس ضرب دس ، کیا سمجھے ؟"

"میں ۔۔۔ میں ۔۔۔"

سے رات کے آٹھ بجے تک۔ ہفتے کو دکان چار بجے شام بند ہو جاتی۔ اتوار چھٹی کا دن تھا۔

ابراہیم بابو چائے خانے کے پچھلے حصّے میں لکڑی کی کٹیا میں رہتے تھے۔ ارمان برآمدے میں سوتا۔ اس کی چھت ٹین کی تھی۔ پہلی رات اُسے مچھروں نے جگائے رکھا۔ اس نے اپنے آپ کو چادر میں لپیٹ لیا، سر بھی ڈھانپ لیا اور پیر بھی چھپا لیے، مگر سانس لینے میں مشکل ہونے لگی۔ ابراہیم بابو نے اگلے دن اُسے مچھر دانی تحفے میں دی۔ اس کے بعد سے ارمان آرام سے سونے لگا۔ اس کی کہنی کا زخم بھرنے لگا۔ اس کے سر میں درد کبھی اُٹھتا اور کبھی نہیں اُٹھتا۔ جو چیز لوٹ کے نہ آئی، وہ اس کی یادداشت تھی۔ اُسے کچھ یاد نہیں تھا کہ جب اس کی آنکھ کُھلی تھی اور اس نے ستاروں بھرا آسمان دیکھا تھا تو اس سے پہلے کیا ہُوا تھا۔ اُسے احساس ہو گیا تھا کہ اس بارے میں پریشان ہونا بے کار ہے۔ ہارون نے کہا تھا۔

"تم بھلا کسی ایسی چیز کے لیے پریشان کیسے ہو سکتے ہو جو ہے ہی نہیں۔ اگر تمھاری یادداشت کو واپس آنا ہے، تو تمھاری کوشش کے بغیر ہی آجائے گی۔"

کل جو دن بیت گیا تھا، وہ بہت اچھا گزرا تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ ہارون نے ارمان سے کہا تھا کہ باہر مت جانا۔ وہ دو بجے اُسے لینے کے لیے آیا۔ رنگ برنگے کپڑوں کو جوڑ کر بنایا ہوا تھیلا اس کے کندھے پر لٹکا ہوا تھا۔ وہ دونوں شہید مینار کے لیے روانہ ہوئے اور دس منٹ میں وہاں پہنچ گئے۔

ارمان نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسی کوئی جگہ ہوگی۔ مینار کے ایک طرف لوگ تھے۔ لوگ ہی لوگ۔ ارمان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اتنے بہت سارے لوگ ایک ہی جگہ کیوں جمع ہوئے ہیں۔

"اگر تم مینار کی چوٹی پر چڑھ جاؤ اور نیچے جھانک کر دیکھو" ہارون نے بتایا" تو تمھیں پتا چلے گا کہ ہجوم کی اپنی ایک ترتیب ہوتی ہے۔ تم دیکھو گے کہ کچھ لوگ دائرہ بنائے کھڑے ہیں۔ زمین کے ایک صاف ٹکڑے کے گرد۔ اور اس دائرے کے گرد میں جو تماشا برپا ہے اُسے دیکھ رہے ہیں۔ ہر دائرے میں ایک الگ تماشا ہے۔

"روز ایسا ہوتا ہے؟"

"صرف اتوار کے دن۔" ہارون نے کہا "آؤ چلو۔ اب میں تمھیں دکھاتا ہوں کہ یہ سب کیسے ہوتا ہے۔"

ارمان نے دیکھا ضرور، مگر یہ کہنا کہ سب اس کی سمجھ میں آگیا۔ درست نہ ہوگا۔ یہ سب بہت بڑے پیمانے پر ہو رہا تھا۔ رنگوں کی افراط، شور، بھیڑ بھاڑ، کرتب بازی اور ہنگامے پر وہ حیران اور مسحور ہو گیا۔ بہت سارے کرتب تماشوں کے علاوہ سودا بیچنے والے اپنا سامان بیچ رہے تھے۔ دانتوں کا منجن، آنکھوں کا سُرمہ، شفا کی بُوٹی اور جڑی بوٹیاں بِک رہی تھیں۔ سینکڑوں چیزیں تھیں۔ سبز رنگ کا طوطا ایک ڈھیر میں سے کاغذ کی پرچیاں چُن کر قسمت کا حال بتا رہا تھا۔ ایک انوکھے صابن کے گُن ایک آدمی گا رہا تھا، جس نے پگڑی باندھی ہوئی تھی اور بھورا نیکر پہنے ہوئے تھا اور اس کے دونوں بازوؤں پر

کہنیوں تک چمڑا چڑھا ہوا تھا۔ لوگ منھ پھاڑے ایک آدمی کی باتیں سُن رہے تھے۔ جس کی گردن میں موٹی سی زنجیر بندھی ہوئی تھی اور جو بازو ہلا ہلا کر بڑی تفصیل سے کچھ بیان کر رہا تھا۔ ایک پاگل سا آدمی، جھبرے بالوں اور انتہائی میلے کپڑوں والا، سیمنٹ کے ایک ٹکڑے پر بیٹھا، سیاہ اور سفید رنگ سے دیوی دیوتاؤں کی حسین و جمیل تصویریں بنا رہا تھا۔ اس کے چاروں جانب کھڑے ہوئے لوگ اس کی طرف سکّے اچھال رہے تھے۔ سکّے کی اس تصویروں پر گرتے، کہیں ہنومان جی کی دُم پر، کہیں رام چندر کے تاج پر اور کہیں راون کے سروں پر، مگر وہ ان سب سے بے نیاز اپنی دُھن میں تصویر میں رنگ بھرے جاتا

زیادہ تر جگہوں پر کوئی نہ کوئی کرتب دکھایا جا رہا تھا۔ ایک پر تو وہ بہت حیران ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ہو رہا ہے۔ ایک لڑکا اُس سے بھی چھوٹا، زمین میں کُھدے ہوئے سوراخ میں اپنا سر دفن کرنے لگا ایک اور لڑکے نے مٹّی کو اس کے سر کے گرد تھپ تھپا کر ہوا کا راستہ بند کر دیا۔ زمین کے گڑھے میں سر دفن کرنے والا لڑکا یوں ہی پڑا رہا۔ ارمان کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بڑی مشکل سے تھوک نِگلا اور کہا "ہارون بھیا، یہ لڑکا تو مر جائے گا!"

ہارون نے اپنا سر ہلایا "یہاں کوئی مرنے کے لیے نہیں آتا، ارمان" انھوں نے کہا "یہ وہ جگہ ہے جہاں لوگ اپنی روزی کماتے ہیں۔ یہ لڑکا بھی یہی کر رہا ہے۔ یہ صرف مہارت کی بات ہے اور مہارت سے کیا ہو سکتا ہے، یہ تم دیکھنا جس وقت خلیفہ ہارون اپنا کمال دکھائیں گے۔"

ہارون، ارمان کو ایک جگہ لے آیا جہاں وہ کرتب دکھاتا تھا۔ ایک لڑکی وہاں اپنی بازی گری دکھا رہی تھی۔ زمین سے سات آٹھ فٹ اوپر دو کھمبوں کے درمیان ایک تار باندھ دیا گیا تھا۔ لڑکی اس پر مزے سے چل رہی تھی۔

"یہ جنوبی ہندوستان کی ہے" ہارون نے کہا۔

کچھ فاصلے پر آگ کا حلقہ تماشا دیکھنے والوں کے سر پر لٹک رہا تھا۔

"کیا کوئی اس میں سے کودے گا؟" ارمان نے اچانک پوچھا۔

"اس سے تمھیں کچھ یاد آ رہا ہے؟" ہارون رُک کر اس کی طرف مُڑا "تم نے پہلے ایسی کوئی چیز دیکھی ہے؟"

ارمان کہنے ہی والا تھا ہاں، مگر کہہ نہیں پایا۔ ایک لمحے کے لیے روشنیاں، موسیقی، ہجوم، شور اور لوگ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گئے۔ پھر یہ منظر صاف ہو گیا اور وہ وہی دیکھنے لگا جو اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

ہارون آگے آگے چل رہا تھا اور ارمان پیچھے۔

وہ ایک ایسی جگہ آ گئے جہاں کوئی اور تماشا نہیں ہو رہا تھا۔ نہ تماشا دیکھنے والے جمع تھے، سیدھے ہاتھ کی طرف ہجوم کے پیچھے سے ڈھول کی آواز آ رہی تھی۔ لوگوں کی ٹانگوں کے بیچ میں سے ارمان کو بھالو کی سیاہ روئیں دار کھال کی جھلک نظر آئی۔ ہر گروہ کے پاس کسی نہ کسی قسم کا اپنا ایک ڈھول تھا۔ مگر ہارون نے اب اپنے تھیلے سے جو ساز نکالا وہ ڈھول نہیں تھا

بانسری تھی، جو ایک طرف سے پتلی تھی دوسری طرف سے اُبھرواں۔ ہارون نے ایک کے بعد ایک، اس میں سات دفعہ پھُونک ماری۔ ارمان کو احساس ہُوا کہ بانسری کی آواز شور شرابے سے بلند تھی اور میدان کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سُنی جا سکتی تھی۔

باقی آئندہ

کیا آپ ناراض ہیں ؟

اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آنکھ مچولی میں بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی۔؟
- پہلے شائع ہو چکی تھی ؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جا رہی تھی ؟
- چھوٹے پُرزوں پر لکھی گئی تھی ؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں ؟
- آپ کی تحریر کا اندازِ بیان، خیال اور اُسلوب بچّوں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا ؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی ؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا۔ ؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہو سکتی تھی۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں۔
- یاد رکھیئے ! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

لطائف کے اس سلسلے میں آئندہ سب سے اچھے لطیفے پر انعام بھی دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ انعام آپ کو ملے تو گھسے پٹے اور شائع شدہ لطائف نہ بھیجیں بلکہ اچھی اچھی کتابوں سے نئے اور دلچسپ لطائف اور مزاحیہ واقعات ارسال کریں۔ سب سے اچھا لطیفہ بھیجنے والے ساتھی کو بطورِ انعام تین ماہ کے لئے "آنکھ مچولی" جاری کیا جائے گا۔

ایک دوست دوسرے دوست سے:
"بھئی اپنا وعدہ پورا کرو تم نے تین ماہ قبل یہ کہہ کر مجھ سے دو روپے قرض لئے تھے کہ جب میرا بیٹا میٹرک کا امتحان دے لے گا تو میں رقم واپس لوٹا دوں گا۔"

دوسرا دوست: "بھائی میں اپنے وعدے پر قائم ہوں۔ مگر میرے بیٹے کو میٹرک کا امتحان تو دینے دو۔ ابھی تو اس نے خیر سے پہلی جماعت کا امتحان دیا ہے"

محمد ثناء اللہ شاہ ——— اتفاق آباد

محکمہ ڈاک کا ملازم اپنی تیس سالہ سروس کے بعد، ریٹائر ہوا تو الوداعی تقریب کے اختتام پر اس کے باس نے پوچھا "ہاں! یہ تو بتاؤ کہ ہمارے ساتھ اتنے سال کام کر کے تم نے کیا تجربہ حاصل کیا؟"

ملازم نے جواب دیا "تجربہ تو بہت حاصل کیا! بس آپ سے گزارش ہے کہ کبھی میری پنشن کی رقم بذریعہ ڈاک مت روانہ کیجیے گا۔"

صائمہ یونس ——— گرومندر کراچی

ریل کے ڈبے میں دو مسافر ایک ہی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سفر کر رہے تھے۔ ٹرین چلی تو کچھ دیر بعد ایک مسافر نے کہا "ٹھنڈی ہوا آرہی ہے۔" اور یہ کہہ کر کھڑکی بند کر دی۔

تھوڑی دیر بعد پہلے مسافر نے "دم گھٹ رہا ہے"۔ کہہ کر کھڑکی کھول دی۔ کچھ دیر کے بعد دوسرے

مسافر نے "سردی لگ رہی ہے"۔ کہہ کر کھڑکی بند کردی۔ کچھ دیر کے بعد دوسرے نے "بہت گرمی ہے" کہہ کر پھر کھڑکی کھول دی۔

دونوں بار بار یہی کرتے رہے اور بالآخر آپس میں جھگڑنے لگے۔

یہ دیکھ کر تیسرے مسافر نے مسکراتے ہوئے ان سے کہا۔ "ارے بھائی لڑتے کیوں ہو۔ کھڑکی میں تو شیشہ ہی نہیں ہے۔"

سعدیہ ضیاء ——— بصیر پور

باغ کے مالی نے دیکھا کہ ایک لڑکا سیب کے درخت پر چڑھا ہوا ہے۔ مالی نے درخت کے نیچے جاکر لڑکے سے کہا "تم درخت کے اوپر چڑھ کر کیا کر رہے ہو؟" لڑکے نے جواب دیا "جناب یہ سیب درخت سے گر گیا تھا میں اسے دوبارہ شاخ پر لگانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

محمد اعجاز بابر ——— نامعلوم

دو بہرے کہیں جاتے ہوئے آپس میں ملے تو ان کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

پہلا: "بھائی کہاں جا رہے ہو"؟

دوسرا: "وعلیکم السلام"۔

پہلا: "صحت کیسی ہے؟"

دوسرا: "بینگن لایا ہوں"

پہلا: "بچے کیسے ہیں"؟

دوسرا: "دس روپے کلو"۔

محمد محبوب ——— ڈھوک سیال راولپنڈی

ایک شخص چھت سے گر کر اپنی دونوں ٹانگیں تڑوا بیٹھا۔ اس کی عیادت کے لئے آنے والے ایک دوست نے اس سے کہا "یار سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری دونوں ٹانگیں کس طرح ٹوٹیں"۔ ان صاحب نے جل کر جواب دیا۔ "چھت سے گر کر دیکھ لو بات سمجھ میں آجائے گی۔"

قاضی یاسر نعمان ——— خیبر بازار، پشاور

ملا نصر الدین اپنے بیٹے کے ساتھ جا رہے تھے۔ کہ ایک جنازہ ان کے سامنے سے گزرا۔ اُن کے بیٹے نے جنازہ دیکھا تو ملا نصر الدین سے پوچھا "بابا! یہ لوگ کندھوں پر کیا اٹھائے لئے جا رہے ہیں"۔ ملاّ نے جواب دیا۔ "آدمی"

بیٹے نے پوچھا۔ "یہ لوگ اسے کہاں لئے جا رہے ہیں"۔ ملاّ نے جواب دیا۔ "یہ لوگ اسے ایسی جگہ لئے جا رہے ہیں جہاں کھانے کی کوئی چیز ہے نہ پینے کی، نہ وہاں آگ ہے نہ لکڑی، نہ سونا ہے نہ چاندی، نہ پلنگ ہے نہ بستر"۔

بیٹے نے یہ سُنا تو معصومیت سے پوچھا! "کیا یہ لوگ اسے ہمارے گھر لے جا رہے ہیں"؟

فیضان عثمانی ——— لانڈھی، کراچی

ایک قیدی جیل میں بیمار ہوا تو جیلر اس کی مزاج پرسی کے لئے آیا اور اس سے پوچھا "کیا حال ہے"؟ قیدی نے جواب دیا۔ "جناب بُرا حال ہے پہلے

"ٹانگ میں درد ہوا تو ڈاکٹر نے ٹانگ کاٹ دی، پھر ہاتھ میں درد ہوا تو وہ بھی ڈاکٹر نے کاٹ دی۔ اب کان میں درد ہے تو یقیناً ڈاکٹر اسے بھی کاٹ دے گا۔" جیلر نے یہ سُنا تو کڑکتے ہوئے کہا" میں تمہاری چالاکیاں خوب سمجھتا ہوں۔ تم آہستہ آہستہ جیل سے فرار ہونے کی کوشش کررہے ہو۔"

محمد اکرم میانوی ____ ننکانہ صاحب

ایک پائیلٹ نے کنٹرول ٹاور کو یہ پیغام بھیجا۔ "جہاز میں پٹرول نہیں ہے۔ میں کنٹرول ٹاور سے پچاس میل دور سمندر کے اُوپر تین ہزار فٹ کی بلندی پر ہوں ہدایت دیجئے" کنٹرول ٹاور سے جواب آیا "میرے ساتھ دہرایئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون"۔

صائمہ یونس ____ کراچی

ایک دوست:۔ (دوسرے دوست سے) "تمہارا افسر قد میں بہت ہی چھوٹا ہے۔"

دوسرا دوست:۔ "مصیبت جتنی چھوٹی ہو اتنا ہی اچھا ہے۔"

انیس الرحمٰن ____ مجید ہال لاہور

تین کنجوس دوست کھجوریں کھا رہے تھے کہ چوتھا کنجوس دوست بھی اُدھر آنکلا۔ اُس نے اپنے دوستوں سے پوچھا۔ کیا کھا رہے ہو۔؟"

دوستوں نے چڑ کر کہا "زہر کھا رہے ہیں۔"

یہ سنا تھا کہ اس نے اُن کے ہاتھوں سے آٹھ دس کھجوریں چھین کر منہ میں رکھ لیں اور بولا۔ "تم لوگوں کے بعد میں جی کر کیا کروں گا؟"

محمد علی ____ مہاجر کیمپ، کراچی

ایک ماسٹر نے جو بہت ہی کالے رنگ کے تھے کلاس کے لڑکوں سے سوال کیا" بتایئے انسان کو خدا نے کن کن چیزوں سے بنایا ہے۔؟"

ایک لڑکے نے جواب دیا!" آگ، ہوا، مٹی، پانی سے۔" کلاس سے کسی اور لڑکے نے برجستہ آواز لگائی "اور تارکول سے بھی۔"

شیخ طاہر مسعود، ____ ملتان

کانچ کے برتن بنانے والی ایک فیکٹری کے باہر یہ بورڈ پر یہ اعلان لکھا ہوا تھا "ہمارے ہاں خوبصورت اور مضبوط برتن بنتے ہیں۔ ہمارے بنائے ہوئے گلاس پچیس فٹ تک کی بلندی سے نیچے گرایئے۔ چوبیس فٹ تک ضمانت ہے کہ گلاس نہیں ٹوٹے گا۔"

اسماء احمد ____ لیاقت آباد، کراچی

بیٹا:۔ "پاپا! آپ مجھے اسکول کیوں ..... بھیجتے ھیں ؟"۔

والد:۔ "بیٹا! انسان بننے کے لیئے"

بیٹا:۔ "تو پھر ماسٹر صاحب روز مجھے مرغا کیوں بناتے ہیں"؟

ثمینہ نور ____ ٹنڈو جام

ایک شخص کو کہیں سے سائیکل کا ایک پیڈل مل گیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے اپنی بیوی سے کہا "بیگم اس پیڈل کو سنبھال کر رکھو اس میں کسی مناسب وقت پر سائیکل ڈلوالیں گے۔"

فاطمہ مہدی پیرزادہ ____ کراچی

بچپن کے نقوش

محشر بدایونی

گھر کی اک دیوار پر لکھے ہیں کچھ دھندلے سے حرف
ہو چکے ہیں جن پہ طفلی کے حسیں لمحات صرف

وقت کا اک مرثیہ ہیں یہ حسیں نقش و نگار
رہ گئے ہیں بن کے جو بچپن کی زندہ یادگار

علم کی دولت مری آغوش میں آئی نہ تھی
زندگی پوری طرح جب ہوش میں آئی نہ تھی

خاکۂ امید میں کچھ رنگ بھر لیتا تھا میں
یوں ہی اپنے ذوق کی تسکین کر لیتا تھا میں

ایک ٹانٹلی کا قلم اور ایک مٹی کی دوات
میں سمجھتا تھا اسی پونجی کو اپنی کائنات

صورتِ پروانہ شمعِ علم پر مرتا تھا میں
حرفِ مطلب کے لکیروں میں ادا کرتا تھا میں

شام کو ہنستا تو جھوم اُٹھتی تھی گلشن میں شمیم
صبح روتا تھا تو آنسو پونچھ دیتی تھی نسیم

کمسِنی کی راحتیں جھولا جھُلاتی تھیں مجھے
خُلد سے آکر ہوائیں گُدگُداتی تھیں مجھے

مخملی اچکن میں جب مکتب سے گھر آتا تھا میں
دیکھنے والوں کو اک دولہا نظر آتا تھا میں

تا نہ دیکھیں چشمِ بَد سے پاسبان و راہ گیر
کھینچ دی جاتی تھی پیشانی پہ کاجل کی لکیر

خاک سے بچنے کی سختی سے مجھے تاکید تھی
جب نئے کپڑے بدل ڈالے اُسی دِن عید تھی

والہانہ شان تھی کچھ ایسی احساسات میں
جیسے کوئی شہر کا افسر کہیں دیہات میں

مجھ کو پانی میں نظر آتی تھی کوثر کی جھلک
کھیل میں اکثر اُٹھا لی ہے دہکتی آگ تک

جب بگڑ بیٹھا ہوں ضد میں مادرِ دِلگیر سے
راہ پر لانا مجھے کم تھا نہ جُوئے شِیر سے

ہمسِنوں کے ساتھ وہ پہروں مرے دلچسپ کھیل
دُور تک تختوں کا پُل اور اُس پہ اک پٹھے کی ریل

ٹین کی موٹر، ربڑ کی گیند کاغذ کا جہاز
کیا بتاؤں کس قدر تھا مجھ کو اِس دولت پہ ناز

گھر میں گھنٹوں حشر برپا جیسے سچ مُچ کھو گئے
اور ہم پہلو میں پڑ رہتے بستروں کے سو گئے

موسمِ بارش میں وہ سڑکوں پہ پانی کا بہاؤ
اور وہ میرا بنا کر چھوڑنا کاغـذ کی ناؤ

کاغذی صنعت کے تو دریا بہا دیتا تھا میں
پھول کیسے چاند سورج تک بنا دیتا تھا میں

ٹھیکرے گھِس گھِس کے اُن سے دِل کو بہلاتا تھا میں
کنکروں کو داب کر مُٹھی میں سوجاتا تھا میں

جسم پر زرتار اچکن سَر پہ ٹوپی زرنگار !
جیب میں کچھ سینما کے ملگجے سے اشتہار

والدہ سے چھیڑ کرتا تھا خوشی کے جوش میں
خود مَیں جنّت میں تھا یا جنّت مری آغوش میں

ماں کے کہنے سے بھَلا پڑھنے کو کب جاتا تھا میں
والدِ ماجد کی آہٹ پا کے دب جاتا تھا میں

ماں وہ ماں لاکھوں بہشتیں جس کے قدموں پر نثار
جس کے قدموں پر نچھاور زندگی کی ہر بہار

موت کے ظالم حصارِ آہنی میں بند ماں
میری جنّت آشیاں ماں، خاک کا پیوند ماں

رو مری غمگیں محبّت آج رو دِل کھول کر
آنسوؤ جاؤ مزارِ مادرِ مرحوم پر !!

اِن لکیروں میں نہ جانے ایسے کتنے باب ہیں
جو کبھی رنگیں حقیقت تھے مگر اب خواب ہیں

یہ "الف بے پے" نشانی ہیں مرے اُس عہد کی
جب سکوں کی فُرصتوں سے کھیلتی تھی زندگی !

ہاں یہ دُھندلے حرف عُنواں ہیں مری تقدیر کے
چند خاکے ہیں گزشتہ شوخیٔ تحریر کے

شین فاروقی

بنجامن اور پیٹرک

جن کے سَر جُڑے ہوئے ہیں !

محبّت، شفقت اور اخلاص کے جذبے اگر کسی دل میں یکجا ہو جائیں تو وہ دل کائنات سے زیادہ وسیع، سمندر سے زیادہ گہرا، پھول سے زیادہ نرم اور جنّت سے زیادہ خوبصورت ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہر اچھی ماں کے سینے میں اپنے بچّوں کے لیے انہی جذبوں سے لبالب بھرا دل دھڑکتا ہے۔ خواہ بچے گورے ہوں یا کالے، خوبصورت ہوں یا معمولی شکل و صورت والے۔

تھیریسا بائنڈر ایسا ہی دل رکھنے والی ماؤں میں سے ایک ہے۔ جس کا کہنا ہے کہ اُس کے بچّے دُنیا کے تمام بچّوں سے زیادہ پیارے ہیں اور وہ دنیا کی تمام ماؤں سے زیادہ اپنے بچّوں سے پیار کرتی ہے اگرچہ اُس کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا جب وہ اپنے بچّوں اور خود کو ہلاک کر دینا چاہتی تھی۔۔۔ لیکن ایسا خوفناک خیال اُس کے دِل میں یُونہی نہیں آ گیا تھا بلکہ اس خیال کے پسِ پُشت عام لوگوں کے لیے ایک انوکھا اور خود تھیریسا کے لیے ابتدأ تکلیف دہ واقعہ موجود ہے۔

امریکی ریاست بالٹی مور کی ۲۰ سالہ شہری تھریسا بائنڈر کے لیے وہ دن اپنے دامن میں ناقابلِ بیان خوف اور دُکھ لے کر آیا جس دن اُسے ڈاکٹروں نے بتایا کہ اُس کے گھر میں دو ایسے بچّے پیدا ہوں گے جن کے سر آپس میں جُڑے ہوئے ہوں گے۔ تھریسا یہ خبر سُننے کے بعد رو رو کر نڈھال ہو گئی۔ پریشانی کے اس عالم میں اُس نے کئی بار خودکُشی کرنے کے بارے میں سوچا لیکن قدرت نے ہر بار اُسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔

بچّوں کی پیدائش کے بعد جب تھریسا کو ہوش آیا تو اُس نے سب سے پہلے اپنے بچّوں کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن چونکہ بچّے خصوصی نگہداشت کے شعبے میں داخل تھے اس لیے اُس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ البتہ اس کے شوہر نے بچّوں کی تصویر تھیریسا کو دکھائی لیکن اُس کے دِل کو قرار نہ آیا۔ بالآخر تین دن بعد جب ڈاکٹروں نے بچّوں کو ہر طرح کے خطرے سے باہر قرار دے دیا تو تھیریسا کو اپنے بچّوں کا دیدار نصیب ہوا۔ بچّوں کو دیکھتے ہی تھیریسا کو یوں لگا جیسے سارے جہان کی محبّت سمٹ کر اُس کے دل میں آ کر سما گئی ہے۔ بچّوں کو گود میں لیتے ہی اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں کیونکہ اُس کے دونوں بچّے اتنے پیارے تھے کہ اُسے اپنے خودکشی والے خیال پر سخت ندامت محسوس ہوئی۔ ایک ہفتے بعد تھیریسا اپنے بچّوں کے ساتھ گھر منتقل ہو گئی۔ بچّوں کے غیر معمولی حُسن نے بچّوں اور تھیریسا کو نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دُنیا

میں مشہور کردیا۔

ڈاکٹروں کے بقول ۸ر پونڈ ۱۸ اونس وزن کے یہ دونوں بچے طبی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہیں' ان بچوں کے سَر والے حصے آپس میں اس طرح جُڑے ہوئے ہیں کہ سر سے خون لے جانے کا کام ایک ہی نالی کے ذریعے سے انجام پاتا ہے۔ البتہ اس کے علاوہ ان بچوں کے جسم کا کوئی اور اہم عضو مشترک نہیں ہے۔

اسپتال میں ہی نرسوں نے تھیریسا کو سکھا دیا تھا کہ بچوں کو کس طرح گود میں لے۔ کیونکہ انھیں گود میں لیتے وقت اس بات کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں بچے بہ یک وقت گود میں لینے والے فرد کی مکمل گرفت میں ہونے چاہئیں کیونکہ اگر ان میں سے ایک بچہ کسی طرح گود سے پھسل جائے تو دونوں کی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ تھیریسا کہتی ہے کہ شروع میں تو بچوں کو گود میں لینا خاصا مشکل لگتا تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ کام آسان ہوتا چلا گیا۔

بچوں کے گھر آ جانے کے بعد تھیریسا اپنے وقت کا بڑا حصہ بچوں کی نگہداشت پر صَرف کرتی ہے۔ تھیریسا کہتی ہے کہ اُسے اُس وقت بہت تکلیف ہوتی ہے جب دونوں بچے اپنے ننھے مُنّے سروں کو علیحدہ علیحدہ ہلانا چاہتے ہیں۔ مگر وہ ایسا نہیں کر پاتے۔

بچوں کے سر آپس میں ملے ہونے کے باعث بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ بچے ایک جیسی حرکتیں کرتے ہوں؟ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ بچے اپنے خیال میں خود مختار ہیں۔ مثال کے طور پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بینجامن رو رہا ہے اور پیٹرک مزے سے سو رہا ہے۔

بچے جُوں جُوں بڑے ہو رہے ہیں تھیریسا اور اُس کے شوہر کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے کیونکہ دونوں یہ سوچتے ہیں کہ جب یہ بچے اور بڑے ہو جائیں گے تو کیا ہوگا؟ اسی لیے تھیریسا ہر رات خدا سے یہ دُعا کر کے سوتی ہے کہ کاش اگلے دن جب وہ سو کر اُٹھے تو دونوں بچے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو چکے ہوں لیکن ظاہر ہے کہ ایسا معجزہ ممکن نہیں۔

لیکن لگتا ہے کہ خدا نے تھیریسا اور اُس کے شوہر کی دُعا سُن لی ہے کیونکہ ابھی حال ہی میں جان ہوپکس اسپتال کے تیس سرجنوں نے بچوں کے تفصیلی معائنے کے بعد اعلان کیا ہے کہ ان بچوں کو آپریشن کے ذریعے ایک دوسرے سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے' تاہم آپریشن کے نتیجے میں ان دونوں کے بچ جانے کے امکانات ۸۰ رفیصد ہیں۔

تھیریسا اور اُس کے شوہر کو یوں تو دونوں ہی بچے بے حد عزیز ہیں لیکن اُن کا خیال ہے کہ اگر اُن میں سے ایک بھی زندہ سلامت بچ جائے تو وہ صبر کر لیں گے۔ بچوں کا آپریشن جلد ہونے والا ہے اور تھیریسا نے بچوں کے بارے میں معلومات رکھنے والے تمام افراد سے اپیل کی ہے کہ وہ اُن کے دونوں بچوں کی زندگی اور تندرستی کے لیے دُعا کریں۔

آیئے ہم اور آپ بھی دُعا کریں۔

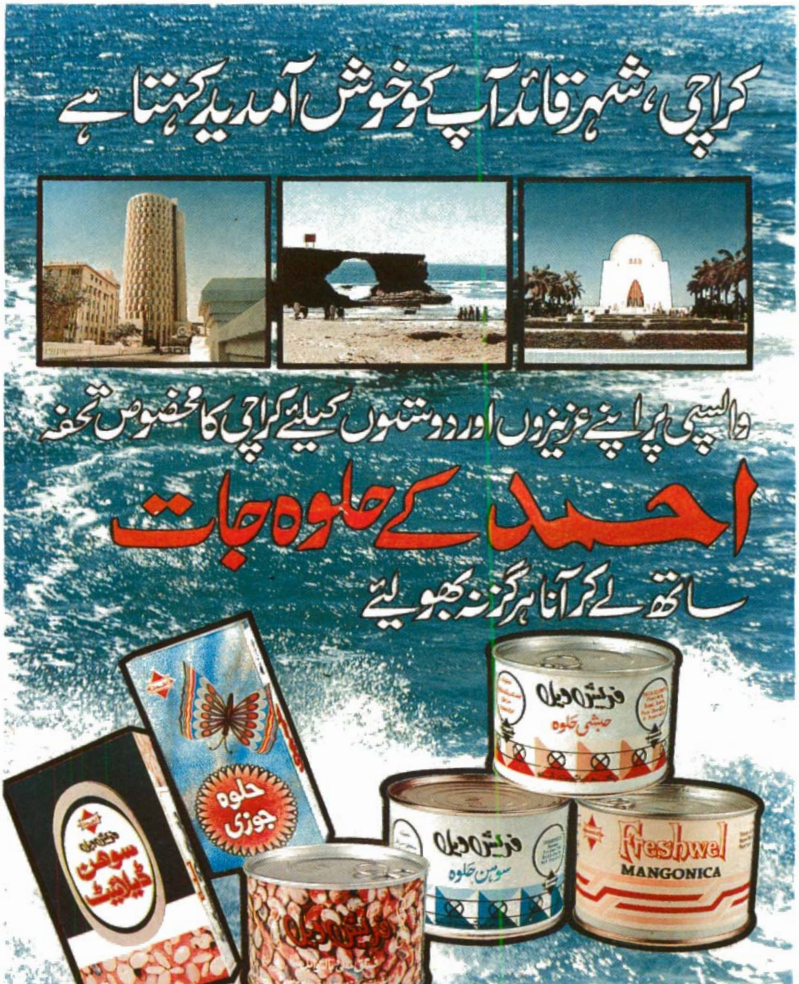
کراچی، شہر قائد آپ کو خوش آمدید کہتا ہے
واپسی پر اپنے عزیزوں اور دوستوں کیلئے کراچی کا مخصوص تحفہ
احمد کے حلوہ جات
ساتھ لے کر آنا ہرگز نہ بھولیئے
فریش ویل
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
سوہن ڈیلائیٹ
فریش ویل
سوہن حلوہ
Freshwel
MANGONICA
فریش ویل
MASS

طارق شمیم

گوریلے کی محبّت

گوریلے "کوکو" کو بھوکا رہتے ہوئے آج پانچواں دن تھا۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا کے ووڈ سائڈ شہر کے گوریلا فاؤنڈیشن کے تمام منتظمین کوکو کے اس رویئے سے سخت پریشان تھے۔ اور جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ ان کے چہروں پر تشویش بڑھتی جارہی تھی۔ اس وقت بھی کوکو اپنے کمرے کی دیوار سے ٹیک لگائے اس قدر اُداسی سے ٹکٹکی باندھے خلا میں گھور رہا تھا۔ جیسے اُسے ابھی ابھی اپنا کوئی بچھڑا ہُوا بہت ہی پیارا دوست یاد آگیا ہو۔ اُس کے چہرے پر گہرے رنج کی کیفیت نمایاں تھی۔ اور غور سے دیکھنے پر اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے جھل مل جھل مل کرتے موتیوں کو صاف دیکھا جاسکتا تھا۔

ڈاکٹر پینی پیٹرسن جو اس فاؤنڈیشن میں گوریلوں کی دیکھ بھال کے کام پر مامور ہیں۔ جب "کوکو" کو دوپہر کا کھانا کھلانے کے لئے آئیں تو انہیں کوکو کی حالت دیکھ کر بہت دکھ ہوا۔ انہوں نے بڑھ کر اسے پیار کیا اُس کے سر پر محبّت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے انہیں پانچ روز قبل کی کرسمس والی وہ رات یاد آئی جس میں کوکو کی بہت پرانی دوست "آل بال" نام کی بلّی کار کے حادثے میں ہلاک ہوگئی تھی۔ اپنی دوست بلّی کی موت کے بعد ہی سے کوکو نے کھانا پینا ترک کیا ہوا تھا۔ وہ بیشتر وقت پریشانی کے ساتھ کمرے میں اِدھراُدھر ٹہلتا رہتا۔ اور وقفے وقفے سے اپنے منہ سے ایسی کربناک آوازیں نکالتا کہ سُننے والوں کے دل بیٹھ بیٹھ جاتے۔

کوکو کو کھانا کھلانے کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی تھیں۔ بالآخر فاؤنڈیشن کے ایک کارندے کو ایک ترکیب سُوجھی کہ کیوں نا "آل بال" سے ملتی جلتی بلّی کوکو کے کمرے میں چھوڑ دی جائے۔ ہوسکتا ہے کہ کوکو اسی طرح کھانا کھانے کی جانب مائل ہو جائے۔ چنانچہ آل بال جیسی بلّی کی تلاش شروع ہوگئی۔ کئی دنوں کی سخت دوڑ دھوپ کے بعد بالآخر آل بال بلّی کی رنگت والی ایک بلّی منتظمین کو مل گئی مگر یہ پوری بلّی نہیں تھی بلکہ بلّی کا بچّہ تھا۔ بہرحال بلّی کے اس بچّے کو "کوکو" کے کمرے میں لاکر چھوڑا گیا۔ بے سُدھ لیٹے ہوئے کوکو نے جب بلّی کی میاؤں میاؤں سنی تو اُس نے آنکھیں کھول دیں اور تیزی کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ اور پھر نقاہت سے چلتا ہوا بلّی کے پاس آگیا۔ بلّی کا بچّہ کوکو کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا اور دوڑ کر کمرے میں پڑے ہوئے لکڑی کے ایک ڈبّے کے پیچھے چھپ گیا۔ یہ صورتِ حال دو تین دن جاری رہی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ جب بلّی کے بچّے کو یقین ہوگیا کہ کوکو اُسے نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تو وہ کوکو سے قریب ہونے لگا۔ اور

پھر آہستہ آہستہ ان دونوں میں دوستی ہوگئی۔ اب یہ دونوں سارا سارا دن ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے رہتے کبھی کوکو بلّی کے بچّے کو گود میں لٹا کر اس کی جوئیں دیکھتا اور کبھی بلّی کا بچّہ کوکو کے پیٹ پر بیٹھ کر اپنے ننّھے مُنّے پنجوں سے اُس کے پیٹ میں گُدگُدیاں کرکے کوکو کو ہنسانے کی کوشش کرتا۔ کوکو نے بلّی کی آمد کے بعد پھر معمول کے مطابق کھانا کھانا شروع کردیا تھا۔ اس تصویر میں کوکو بلّی کے بچّے کو ماں کی طرح پیار سے گود میں لٹائے اُسے بوتل سے دودھ پلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جانوروں کی یہ محبّت ہم میں سے بہت سے ایسے انسانوں کے لئے ایک مثال ہے جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ اور اپنے سے جُدا ہوجانے والے پیارے پیارے لوگوں کو بہت جلد بُھلا دیتے ہیں اور ایکدوسرے کی غلطیوں کو معاف نہیں کرتے۔ کتنے حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اب ہم انسانوں کو باہمی محبّت کا درس یاد دلانے کے لئے انسانوں کی نہیں، دو جانوروں کی مثال دی جارہی ہے۔

آخری خواہش

تین دوست کشتی میں سفر کر رہے تھے کہ سمندر میں اچانک طوفان آگیا اور ان کی کشتی اُلٹ گئی۔ بڑی مشکل سے تینوں جان بچا کر ایک جزیرے پر پہنچے ایک ہفتہ ہی گزرا ہوگا کہ پہلا دوست اُکتا گیا۔ اسے اپنے والدین کی یاد آنے لگی، دوسرے ہفتے دوسرا دوست بھی گھبرا گیا۔ اسے اپنے بیوی بچے یاد آنے لگے۔ تیسرا دوست بدستور خوش و خرّم رہا۔ اُسے یہ نیا تجربہ اچھا لگا تھا۔ ایک دن تینوں ساحل سمندر کی سیر کر رہے تھے کہ ایک پُرانا لیمپ ملا۔ پہلے نے اُسے صاف کرنے کی غرض سے رگڑا تو اُس میں سے دُھواں نکلنے لگا اور ایک جن نمودار ہوکر بولا "تم نے مجھے آزاد کیا ہے، میں تم تینوں کی ایک ایک خواہش پوری کروں گا۔"

پہلے دوست نے والدین کے پاس جانے کی خواہش کی، وہ والدین کے پاس پہنچ گیا۔ دوسرا اپنی خواہش کے مطابق بیوی بچوں کے پاس پہنچ گیا۔ اب تیسرے دوست کی باری تھی۔ وہ بولا " ان دونوں کے بغیر میرا دل نہیں لگتا۔ ان کو میرے پاس لے آؤ۔"

مرسلہ، جاوید اختر انصاری، اورنگی ٹاؤن۔ کراچی۔

جواب مشکل حل۔

پتھر نمبر ایک سے ۵ - ۳ سے ۷ - ۷ سے ۱ - ۸ سے ۴ - ۴ سے ۳ - ۳ سے ۷ - ۶ سے ۲ - ۲ سے ۸ - ۸ سے ۴ - ۴ سے ۳ - ۵ سے ۶ - ۶ سے ۲ - ۲ سے ۸ - ۱ سے ۵ - ۷ سے ایک اور پانچ پتھر نمبر ۶ پر جائیں تو چاروں کی جگہیں تبدیل ہوجائیں گی۔

ڈراما

آخری حصّہ

رضیہ فصیح احمد

بدلہ

منصور، زاہد، جاوید، شاہد، امجد اور اعظم گورنمنٹ اسکول کے ہاسٹل میں مل کر رہ رہے ہیں۔ سب آپس میں دوست ہیں اور نت نئی شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ وارڈن صاحب ویسے تو بااصول آدمی ہیں، مگر ان کی شرارتوں کا بُرا نہیں مانتے۔ ہاسٹل میں ایک نیا لڑکا آیا، جس کا رکھ رکھاؤ اُسے کھاتے پیتے گھر کا ثابت کرتا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ اسے تنگ کیا جائے۔ چنانچہ ہاسٹل کے قواعد و ضوابط سے ڈرا کر انھوں نے اسے جلد سو جانے کی ہدایت کی اور رات کو اس کے کمرے سے آموں کا ٹوکرا اٹھا کر بند ڈبہ اٹھا لائے، جن کی خاطر انھوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ مگر جب ٹوکرا اور ڈبہ کھولے گئے تو ان میں سے پتھر نکلے۔ ان کو بہت غصّہ آیا۔ اور انھوں نے اس لڑکے سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ طے یہ پایا کہ جاوید بھوت بن کر اُسے ڈرائے گا۔ وہ بھوت کے حلیے میں اس لڑکے کو ڈرانے گیا، مگر کچھ ہی دیر بعد بھاگتا ہوا اس حالت میں واپس آگیا کہ ماتھے سے خون بہہ رہا تھا۔ جاوید نے بتایا کہ اس لڑکے کو ڈرانے کے لیے اس نے جیسے ہی اُسے ہاتھ لگایا وہ اُٹھ گیا اور ہاکی اٹھا کر اُسے مارنے لگا۔ اسی دوران میں وارڈن آ گئے۔ مجبوراً ان لوگوں کو انھیں تمام بات بتانی پڑی۔ انھوں نے طے کیا کہ اب تو اس لڑکے سے بدلہ ہر صورت میں لیا جائے گا۔ اس بار انھوں نے اس لڑکے کے سوٹ کیس سے سارے کپڑے اُڑا لینے کا منصوبہ بنایا تھا۔ (اب آپ آگے پڑھیے)

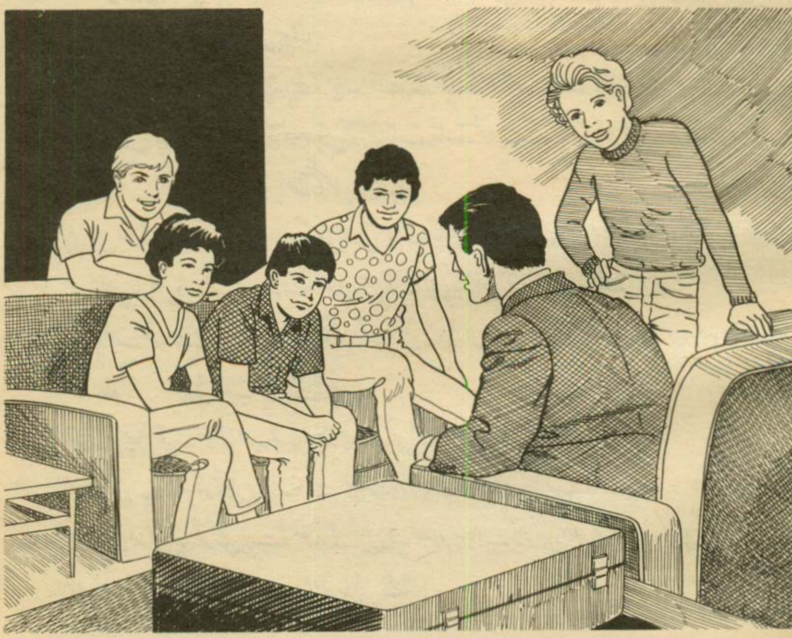

امجد۔ "ابھی تو مجھے اس اسکول میں آئے ہوئے ہی چھ مہینے ہوئے ہیں"۔

زاہد۔ "ارے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے بھائی"۔

امجد۔ (جمائی لے کر) "کہاں ہیں وہ کپڑے"۔

منصور۔ "ابھی آئے جاتے ہیں" (جاوید سے) "لاؤ ناٹڈے خاں"۔

جاوید۔ "ابھی لایا"۔ (چٹکی بجاتا ہے)

امجد۔ (بستر پر لیٹتے ہوئے) "تم لوگ کسی نئی شرارت پر تو نہیں تُلے ہوئے ہو"؟

منصور۔ "اجی نہیں، توبہ کرو۔ ہم اور شرارت"!

زاہد۔ "امجد بھائی تمھارا کیا خیال ہے آدمی نئی شرارت نہ کرے۔ ہمیشہ پُرانی شرارتیں ہی دُہراتا رہے"۔

امجد۔ "میرا مطلب ہے ـ ـ ـ ـ ـ"

منصور۔ (بات کاٹ کر) "دیکھو اگر کوئی تمھیں بے وقوف بنائے تو کیا اس سے بدلہ لینا جائز نہیں"؟

امجد۔ "اگر تمھارا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے تو اس طرح بدلہ لو کہ اس کا بھی نقصان نہ ہو"۔

زاہد۔ "نقصان نہیں ہوا کیا کہہ رہے ہو، سارا زمانہ چھٹی پر جائے گا تو ہم چمگادڑوں کی طرح یہاں پڑے سڑیں گے۔ اور آپ کہتے ہیں کہ نقصان نہیں ہوا"۔

شاہد۔ "رات بھر بھوکے رہ کر دیکھو تو پتہ چلے کہ ایک وقت کے کھانے کا نقصان کسے کہتے ہیں"۔

منصور۔ "سارا اسکول آپ کا مذاق اُڑائے کہ دوسروں کو اُلّو بناتے بناتے خود بن گئے تو آدمی کس طرح بدلہ نہ لے"۔

(جاوید سوٹ کیس اُٹھائے داخل ہوتا ہے)

جاوید۔ "جی ہاں، اگر آپ نے سر پر ہاکی اسٹک کھائی ہوتی نا تب پتا چلتا اور دوسرے دن وہ ہنس ہنس کر کہہ رہا تھا۔ بس جی ذرا سی مار میں ڈر گئے۔ دودھ کے دانت ابھی ٹوٹے ہیں یا نہیں"؟ (سب ہنستے ہیں)

منصور۔ "اور کم بخت مجھ سے پوچھ رہا تھا (آواز بنا کر) گھر پر ممّی کے پاس سوتے تھے یا ڈیڈی کے پاس۔ اب بتاؤ غصہ نہ آئے"۔ (باقی سب پھر ہنستے ہیں)

امجد۔ "تمھاری چھٹّی تو بند ہو گئی اب تم چاہتے ہو کہ میری چھُٹّی بھی نہ رہے"۔

زاہد۔ "دوستی تو یہ ہے کہ تم خود چھُٹّی پر جانے سے منع کر دو" (جاوید سوٹ کیس پلنگ پر رکھتا ہے)

جاوید۔ "لو بھئی خزانہ تو آ گیا مگر کنجی بہت ڈھونڈھی نہیں ملی۔ معلوم ہوتا ہے کنجوس مکھی چوس نے کنویں وُویں میں پھینک دی کہ نہ سوٹ کیس کھُلے گا نہ کپڑے پہنے جائیں گے"۔

منصور۔ "لو میری کُنجی سے کھول کر دیکھو سارے سوٹ کیس کی چابیاں ایک سی ہوتی ہیں"۔ (جیب سے کنجی نکال کر دیتا ہے
شاہد سوٹ کیس کھولنے کی کوشش کرتا ہے ۔)

شاہد۔ "نہیں بھیا، یہ کُنجی ذرا بڑی ہے"۔ (کنجی واپس دیتا ہے)

منصور۔ (اُٹھ کر کیلنڈر اُتار کر میز پر ڈال دیتا ہے۔ دیوار سے کیل کھینچ کر نکالتا ہے) "لاؤ میں کوشش کرتا ہوں۔
کُھل جا سم سم۔ (قفل کُھل جاتا ہے) ہرے! کُھل گیا خزانے کا در"۔

شاہد اور جاوید لپکتے ہیں "لاؤ دکھاؤ"۔

منصور۔ (سوٹ کیس کے ڈھکنے پر ہاتھ رکھ لیتا ہے) "یوں نہیں۔ بعد میں تم سب لڑو گے، ابھی سے فیصلہ کیے لیتے ہیں کہ
کون کیا لے گا اگر نیلے رنگ کا کوئی سوٹ ہوا تو میرا"۔

زاہد۔ "براؤن میرا"۔

شاہد۔ "مجھے دو تین اچھی سی نئی قمیضیں دے دینا اور کوئی کھانے والے کی چیز ہو تو۔۔۔"

منصور "اس پیٹو کو تو کھانے کے علاوہ کچھ نہیں سوجھتا"۔

جاوید۔ "میرا حق سب سے زیادہ ہے جناب۔ ایک تو میں اُس کے کمرے میں رہتا ہوں دوسرے سب سے زیادہ مار بھی
میں نے کھائی ہے اس لیے ایک سوٹ کے علاوہ کم از کم تین ٹائیاں لوں گا۔ درجنوں کے حساب سے ٹائیاں
ہیں اس کے پاس"۔ (امجد بستر پہ اونگھ گیا ہے)

زاہد۔ (امجد کو جھنجھوڑ کر) "تم بولو امجد بھائی کیا لوگے"؟

امجد۔ (سوتے میں) "چُھٹی"!

زاہد۔ "ارے سو گئے کیا، آنکھیں کھولو، دیکھو بہتی گنگا ہے ہاتھ دھو لو، بولو کیا لوگے"۔

امجد۔ (آنکھیں کھول کر جمائی لیتے ہوئے) "مجھے کچھ نہیں چاہیئے"۔

منصور۔ "ہم تحفے کے طور پر خود اس بُدھو کو کچھ دے دیں گے۔ لو اب کُھلتا ہے۔ ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔۔۔"
(سب جلدی سے سوٹ کیس پر جُھک جاتے ہیں سوائے امجد کے سب چند سیکنڈ حیرت سے منہ پھاڑ کر اُسے دیکھتے
ہیں۔ زاہد سوٹ کیس میں سے نیلے رنگ کا ایک نہایت بوسیدہ کوٹ نکالتا ہے جس میں جگہ جگہ پیوند لگے ہوئے ہیں)

زاہد۔ "لو یہ نیلے رنگ کا سوٹ تمہارا" (منصور کو دیتا ہے، سب ہنستے ہیں۔ وارڈن دروازے کے پیچھے آکر چُپ چاپ
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پردے کے پیچھے سے ان کے جوتے اور پتلون کا کچھ حصّہ نظر آ رہا ہے مگر یہ لوگ اپنے کام
میں اتنے مشغول ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلتا)

جاوید۔ (ایک پھٹی ہوئی قمیض نکال کر جس کی ڈیڑھ آستین ہے اور کالر غائب ہے شاہد کی طرف بڑھاتا ہے) "لو پیٹو قمیض تم نے مانگی تھیں نا۔" (شاہد کے علاوہ سب ہنستے ہیں)

شاہد۔ (اٹھا کر پورا سوٹ کیس اُلٹ دیتا ہے) "لوٹ لے خان، یہ سب تمہارا کیونکہ تمہارا حق سب سے زیادہ ہے۔" دو ایک پھٹے پرانے بنیان اور رومالوں کے ساتھ ایک ڈائری بھی گرتی ہے۔

امجد۔ (ہنس کر) "لو بھئی اس سے بدلہ لینے چلے تھے خود پھر احمق بن گئے۔"

منصور۔ "واقعی اس لڑکے نے تو ناک چنے چبوا دیے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں"۔ (دانت پیس کر مُکّہ ہوا میں لہراتا ہے. جیسے سخت غصّے میں ہو۔)

جاوید۔ "لاؤ بھئی واپس ڈال دیں یہ سامان" (جلدی جلدی ساری چیزیں سوٹ کیس میں ڈالتا ہے۔)

زاہد۔ (ڈائری اٹھا کر) "یہ کیا ہے"؟

جاوید۔ (چلّا کر) "مت اٹھاؤ، بھئی یہ تو صفا شیطانی کارخانہ ہے جس چیز کو چھوتے ہیں وہ غائب ہو جاتی ہے۔ لاؤ مجھے واپس دو جلدی سے رکھ دوں" (ڈائری لینے کی کوشش کرتا ہے۔)

زاہد۔ "دیکھنے دو بھئی"۔

جاوید۔ "نہیں بھئی پتا نہیں کیا نتیجہ ہو۔ واقعی اس کے قبضے میں جن ہے۔ اُس نے مجھے خود بتایا ہے"۔

امجد۔ "جن! اس نے خود بتایا"؟

جاوید۔ "ہاں میں نے اس سے پوچھا تھا پہلے تو ٹالنے لگا مگر پھر مان گیا کہ یہ بات ٹھیک ہے"۔

منصور۔ "بہت بُدّھو ہو تم، خود ہی اس کے پیچھے پڑ گئے کہ تمہارے قبضے میں جن ہے تو وہ کیوں منع کرتا"۔

زاہد۔ (ڈائری پڑھتے ہوئے) "ارے یہ تو بڑے مزے کی چیز ہے، سنو لکھتے ہیں" ۱۸ ر جولائی مجھے یہاں کے مشہور پبلک اسکول میں داخلہ مل گیا ہے۔ بورڈنگ میں رہنے کا انتظام بھی ہو گیا ہے مگر ایک دوست نے بتایا ہے کہ اس اسکول میں غریب لڑکوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ جب تک خوب ٹیم ٹام نہ ہو ماسٹر تک پروا نہیں کرتے۔ لڑکے ہنسی اُڑاتے ہیں۔ سخت پریشان ہوں کہ کیا کروں"۔

منصور۔ (ڈائری زاہد سے لے کر) "ارے مجھے دو" (ایک دو ورق اُلٹتا ہے اور پڑھتا ہے)

"میں نے طے کیا ہے کہ اسکول میں خود کو خوب امیر ظاہر کروں گا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ مجھے ظاہری ٹھاٹھ باٹ کی پروا نہیں ہے۔ کپڑے بے شمار ہیں مگر پہنتا نہیں ہوں۔ کھانے کی چیزیں ہیں مگر کھاتا نہیں ہوں نوکروں کو بانٹ دیتا ہوں یا پھینک دیتا ہوں۔ روپیہ ہے مگر خرچ نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی یکم اگست:

جیسے تیسے بستر کا بندوبست تو ہوگیا ہے مگر کپڑوں کی مشکل ابھی باقی ہے۔ کہیں سے ایک خالی سوٹ کیس ہی مل جائے تو کام چل جائے، انور سے مانگ کر دیکھتا ہوں۔"

زاہد ۔ "قصّہ کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا۔"

امجد ۔ "سمجھ میں نہ آنے کی کیا بات ہے ۔بے چارہ بہت غریب ہے ۔ نہ جانے کیسے کیسے بورڈنگ میں داخل ہوا ہے ۔ صرف ہم لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا ہے"۔

منصور ۔ (جوش میں) "صاف ہمیں بے وقوف بنایا ہے"۔

امجد ۔ "اُس بے چارے نے تو اتنی کوشش نہیں کی، تم خود ہی بنتے چلے گئے۔ اُس نے کب کہا تھا کہ تم اس کے آم کے ٹوکرے ٹٹولو یا سوٹ کیس کھول کر دیکھو"۔

زاہد ۔ "اب کیا کیا جائے"؟

منصور۔ "بدلہ"!

جاوید ۔ "بدلہ"!

زاہد ۔ "لے کے رہیں گے"۔

سب مل کر ۔ "بدلہ !!!۔۔۔" (وارڈن داخل ہوتے ہیں)

وارڈن "۔کیا ہو رہا ہے ؟ (سب سر جھکا کر سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں) اوہو امجد تم بھی یہاں موجود ہو"۔

امجد ۔ "میں تو سونے کے لیے چلا گیا تھا کہ شاہد نے آکر کہا، فوراً چلو ایک بہت ضروری کام ہے"۔

وارڈن ۔(شاہد سے) "کیوں بھئی کیا ہے وہ ضروری کام کچھ ہم بھی تو سنیں ۔(شاہد خاموش رہتا ہے) (ہنس کر) بدلہ لینا ہے کسی سے؟" (سب چونک کر وارڈن کی طرف دیکھتے ہیں)

منصور ۔ "سر آپ کو معلوم ہے"؟

وارڈن ۔ "ہاں ۔اگر تم یہ بتا دو کہ اُس نے تمھارے ساتھ کیا کیا زیادتیاں کیں تو ہم خود تمھیں اس سے بدلہ لینے کی ترکیب بتادیں گے (سب خاموش رہتے ہیں) اچھا تم بتاؤ جاوید"۔

جاوید ۔ "سر ہُوا یہ کہ جس دن یہ لڑکا ۔۔۔"

وارڈن ۔"اس کا نام نسیم ہے"۔

جاوید ۔ "جی ہاں جس دن نسیم یہاں آیا (جلدی سے اصلاح کرکے) میرا مطلب ہے جس دن وہ آئے ، اُن کے ساتھ بہت سا سامان تھا۔ میں ان کے کمرے میں تھا اس لیے انھوں نے مجھے ایک آم کاٹ کر دیا، ٹافیاں بھی دیں اور

اِدھر اُدھر کی باتوں میں بتایا کہ ان کے والد بہت بڑے آدمی ہیں۔ شام کو ہم سب نے۔۔۔" (خاموش ہو جاتا ہے)

وارڈن۔" ہاں ہاں کہو، حسبِ عادت تم نے کچھ شرارت کی۔"

جاوید۔" ہم نے کہا کہ تھوڑے سے آم اور ٹافیاں اُڑائی جائیں مگر جب ہم نے ٹوکرا اور ڈبّہ کھولا تو۔۔۔"

وارڈن۔" تو؟"

جاوید۔" اُن میں سے پتھر اور کنکر نکلے۔"

وارڈن۔" پھر؟"

جاوید۔" ہم نے کہا کہ انھیں اس ہتک کا بدلہ لیا جائے۔ اس لیے۔۔۔۔"

وارڈن۔" تم اس کا سوٹ کیس اُڑا لائے کہ اس میں سے چیزیں چُراؤ۔ اِسی کو بدلہ کہتے ہیں؟"

منصور۔" جی نہیں، ہم تو صرف اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے اس کو تنگ کرنا چاہتے تھے۔"

وارڈن۔" اچھا ایک بات بتاؤ۔ اُس نے ٹوکرے میں پتھر اور ڈبّے میں کنکر کیوں بھرے۔ تمھیں بیوقوف بنانے کے لیے؟"

منصور، زاہد اور جاوید۔" جی ہاں۔"

وارڈن۔ (امجد سے)" تمھارا کیا خیال ہے امجد؟"

امجد۔" اس لیے کہ لوگ اسے امیر سمجھیں۔"

وارڈن۔" ہاں۔۔۔ اور وہ اس لیے کہ اُسے کسی نے بتا دیا تھا کہ اس اسکول کے لڑکے اور ماسٹر غریب لڑکوں کو پسند نہیں کرتے
کیا یہ بات ٹھیک ہے؟"

سب مل کر۔" نہیں۔۔۔"

وارڈن۔" معلوم ہوتا ہے اس بے چارے کو پہلے ہی کسی نے بے وقوف بنا دیا ہے۔ اس لیے وہ ہمیں بھی بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے ایک دن میرے پاس آکر کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں کا کھانا قطعی نہیں کھا سکتا، اسے الگ نوکر رکھنے اور کھانا پکانے کی اجازت دی جائے۔ (سب ہنستے ہیں) میں نے اُس دن بھی اُسے بتایا تھا کہ یہاں لڑکوں میں فرق نہیں سمجھا جاتا۔ کھانا جیسا بھی ہو سب کو کھانا پڑتا ہے۔"

جاوید۔" میرے سامنے وہ روز بسکٹ کا ایک پیکیٹ نکالتا ہے۔ دوپہر تک اُسے خالی کر کے کوڑے میں پھینک دیتا ہے اور دوسرے دن دوسرا پیکیٹ نکال لیتا ہے۔"

منصور۔" وہ بسکٹ کہیں اور چھپا کر رکھتا ہے اور روز اسی ڈبّے کو کوڑے میں پھینک کر تمھاری نظر بچا کر پھر اُٹھا لیتا ہے۔"
(سب ہنستے ہیں)

وارڈن ۔"اور معلوم ہے کل اس نے مجھ سے آکر کہا کہ اگر اُسے الگ کھانا پکانے کی اجازت نہیں دی جاتی تو کم ازکم اس کے لیے خالص گھی کی ایک ہانڈی الگ پکائی جائے ۔ کیونکہ ڈالڈا کھانے سے اس کا گلا خراب ہوگیا ہے اور جب میں نے اُسے بتایا کہ یہاں کھانا خالص گھی ہی میں پکتا ہے، ڈالڈا استعمال نہیں ہوتا تو وہ بہت شرمندہ ہوا"۔ (سب لڑکے پھر ہنستے ہیں)

وارڈن ۔ (کرُسی پر بیٹھتے ہوئے) "تم سب لوگ بھی بیٹھ جاؤ۔ (سب چارپائی، ایک خالی کرُسی اور تپائی پر بیٹھ جاتے ہیں) بھئی اس لڑکے سے بدلہ لینا ضروری ہے"۔

سب لڑکے ۔ "ضرور، ضرور"۔

وارڈن ۔"ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی ہے اس نے ہم سب کو بے وقوف بنایا ہے، کیوں نہ ہم بھی اُسے بے وقوف بنائیں مگر وعدہ کرو کہ یہ راز تم کسی پر ظاہر نہیں کروگے"۔

سب لڑکے ۔"کبھی نہیں"۔

وارڈن ۔"اب ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ نسیم غریب لڑکا ہے ۔ ہم سب اس کے سوٹ کیس میں کوئی نہ کوئی کام کی چیز ڈالدیں گے جب وہ دیکھے گا تو حیران ہوگا۔ تم سب انجان بن جانا۔ مجھ سے پوچھے گا تو میں ہنس کر کہدوں گا۔ معلوم ہوتا ہے یہ تو کسی جن کا کارنامہ ہے ۔ اس طرح وہ سچ مُچ بے وقوف بن جائے گا"۔ (اپنی جیب سے بٹوہ نکال کر جاوید کو دیتے ہیں) "لو بھئی یہ ہماری طرف سے سوٹ کیس میں ڈال دو"۔

جاوید ۔ (ہاتھ میں لے کر) "دیکھ سکتا ہوں سر"؟

وارڈن ۔"ہاں ہاں۔ دیکھ لو خالی نہیں ہے"۔ (لڑکے ہنستے ہیں۔ جاوید کھول کر دس دس کے پانچ نوٹ نکالتا ہے، پھر واپس رکھ کر سوٹ کیس میں ڈال دیتا ہے۔ امجد چُپکے سے باہر نکل جاتا ہے)

شاہد ۔ (چارپائی کے نیچے پڑے سوٹ کیس میں سے ایک قمیض اور ایک پتلون نکال کر وارڈن کو دیتا ہے) "سر یہ دونوں چیزیں بالکل نئی ہیں، میں نے اب تک نہیں پہنیں"۔

وارڈن ۔"شاباش، جب یہ کپڑے تمھارا غریب دوست پہنے گا تو تمھیں زیادہ خوشی ہوگی"۔

زاہد ۔"میرے پاس دو کوٹ ہیں ۔ ایک ذرا چھوٹا ہوگیا ہے نسیم کے آجائے گا۔ کھونٹی سے اتار کر دیتا ہے" (وارڈن ساری چیزیں سوٹ کیس میں رکھتے ہیں۔)

جاوید ۔" سر، میرے پاس بھی کچھ فالتو چیزیں ہیں ۔ لاؤں"؟

وارڈن ۔ (ہنس کر) "فالتو چیزیں لانے کی ضرورت نہیں، ایسی چیزیں لاؤ جو کسی غریب لڑکے کے کام آسکیں"۔

جاوید۔ (شرمندہ ہوکر) "ابھی لایا سر۔۔۔" (چلا جاتا ہے۔۔۔امجد آتا ہے)

امجد۔ (وارڈن کو پیسے دیتے ہوئے) "سر! یہ روپے میں نے اپنے جیب خرچ سے بچائے ہیں"۔

وارڈن۔ (حیران ہوکر) "امجد! واقعی میں تمھارے خیال سے بہت متاثر ہوا مگر۔۔۔ مجھے معلوم ہے تمھارا جیب خرچ اتنا زیادہ نہیں، انھیں رکھو تمھیں ان کی ضرورت ہوگی"۔

امجد۔ "جی نہیں۔ یہ میرے پاس اتنے ہی فالتو ہیں جتنی جاوید کے پاس دوسری چیزیں۔ ہر مہینے تھوڑے تھوڑے کرکے بچ کر اتنے ہوگئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انھیں کس طرح خرچ کروں"۔

وارڈن۔ "اچھا۔ تم اپنے ہاتھ سے رکھ دو۔۔۔ اور دیکھو یہ تو سب شیطان ہیں تم البتہ نسیم کے ذہن سے یہ بات نکال سکتے ہو کہ اس اسکول میں کسی کی مالی حیثیت سے اس کی وقعت زیادہ ہوجاتی ہے"۔

(جاوید ایک کپڑے میں چند چیزیں لپیٹے داخل ہوتا ہے اور انھیں ——— سوٹ کیس میں رکھ دیتا ہے وارڈن اس کو کھول کر اپنا اطمینان کر لیتے ہیں اور ڈھکن بند کر دیتے ہیں۔ منصور سوٹ کیس بند کر دیتا ہے)

وارڈن۔ "جب وہ ایک مرتبہ بے وقوف بن جائے گا، تب میں اُسے بلا کر بتاؤں گا کہ اتفاق سے ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی ہے کہ وہ اتنا امیر نہیں ہے اور چند دوستوں نے دل سے اُس کی مدد کی ہے۔ امید ہے وہ ان کے تحفوں کو ٹھکرا کر ان کا دل نہیں دکھائے گا۔ اگر تم چاہو تو میں تم لوگوں کا نام اُسے بتا دوں"۔

امجد۔ (جلدی سے) "میرا نام اُسے نہ بتائیے گا، وہ خواہ مخواہ میرے سامنے شرمندگی محسوس کرے گا"۔

جاوید۔ "میرا بھی نہیں"۔

زاہد اور منصور۔ "ہمارا بھی نہیں"۔

وارڈن۔ "شاباش، تو طے ہے کہ میں کسی کا نام نہیں بتاؤں گا اور تم بھی کبھی اس پر یا کسی اور پر اس بات کو ظاہر نہیں کروگے۔ میرا نام تو محفوظ رہے گا نا؟"

سب لڑکے۔ "بالکل"۔

وارڈن۔ "جاوید! اب تم یہ سوٹ کیس چپکے سے اُس کے کمرے میں رکھ کر واپس آؤ۔ ابھی ایک کام باقی ہے" (جاوید سوٹ کیس اُٹھا کر چلا جاتا ہے، باقی لڑکوں سے) "کیوں بھئی، تمھیں اس شرارت سے بھی اتنی ہی خوشی ہو رہی ہے جتنی دوسری شرارتیں کرکے"۔

منصور۔ "اس سے کہیں زیادہ کیونکہ اس میں آپ بھی شریک ہیں"۔ (سب ہنستے ہیں)

وارڈن۔ "یاد رکھو، کسی کو دُکھ دے کر تمھیں کبھی اتنی خوشی نہیں ہوسکتی جتنی کسی کی مدد کرکے۔ شرارت کرکے جو خوشی حاصل

ہوتی ہے وہ وقتی اور جھوٹی ہوتی ہے کیونکہ اس میں دِل ڈرتا رہتا ہے۔ کسی کے کام آکر حاصل کی جانے والی خوشی سچی اور دائمی ہوتی ہے" (جاوید واپس آتا ہے، دُور کہیں بارہ کے گھنٹے بجتے ہیں)

زاہد ۔ "بارہ بج گئے"۔

وارڈن "اس کا مطلب ہے ہم لوگ سونے کے وقت سے ڈھائی گھنٹے زیادہ جاگے ہیں، اچھا اب جلدی سے یہ بتاؤ کہ تم لوگ اپنے اس کام کا کیا بدلہ چاہتے ہو" ؟

سب لڑکے ۔ "کچھ نہیں"۔

وارڈن "جو کام بغیر لالچ کے کیا جائے اس سے نیک کام اور کوئی نہیں مگر میں پرنسپل سے کہہ کر تمھیں چھٹیوں میں گھر جانے کی اجازت دلوادوں گا"۔

سب لڑکے ۔ (خوش ہوکر) "شکریہ سر"۔

وارڈن "اچھا اب میں چلتا ہوں (دو قدم چل کر رُک جاتے ہیں) ہاں تم سب دیر تک جاگنے کی سزا میں ایک منٹ کے لیے مُرغا بنو۔ (ہنس کر) میں اپنے کمرے میں جاکر بنوں گا۔ کیونکہ میں بھی تمھارے ساتھ دیر تک جاگا ہوں"۔

(لڑکے ہنستے ہیں۔ وارڈن چلے جاتے ہیں۔ لڑکے مُرغا بننے کے لیے جھکتے ہیں اور ککڑوں کوں کی آوازیں نکالتے ہیں)

حلقۂ اسلام

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ مُشرکہ تھیں حضرت ابوہریرہؓ نے انہیں حلقۂ اسلام میں لانے کی ہر چند کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ ایک دن ان کی والدہ نے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے حضرت ابوہریرہؓ کو سخت رنج ہوا۔ اور آنسو چھلک پڑے روتے روتے بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ اور سارا قصہ بیان کیا۔ رسول پاکؐ نے انہیں صبر کی تلقین فرمائی اور ان کی والدہ سے بازپُرس کرنے کی بجائے ان کے حق میں دُعا فرمائی "اے اللہ ابوہریرہؓ کی ماں کو حلقۂ اسلام میں آنے کی سعادت نصیب کر"۔ حضرت ابوہریرہؓ گھر تشریف لائے۔ تو دیکھا کہ اُن کی والدہ کلمۂ طیبہ پڑھ رہی ہیں۔

مرسلہ:۔ پرنس حمد وسیم بن اشرف، محلہ رحمانیہ، میاں چنوں

سال میں صرف ایک دن

نظامِ شمسی کے سیارے عطارد میں ایک سال میں صرف ایک دن ہوتا ہے۔ یعنی اس کا سال اور دن برابر ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جتنی مدت میں عطارد سورج کے گرد گھومتا ہے، اتنی ہی مدت میں وہ اپنے محور پر بھی گھوم جاتا ہے۔

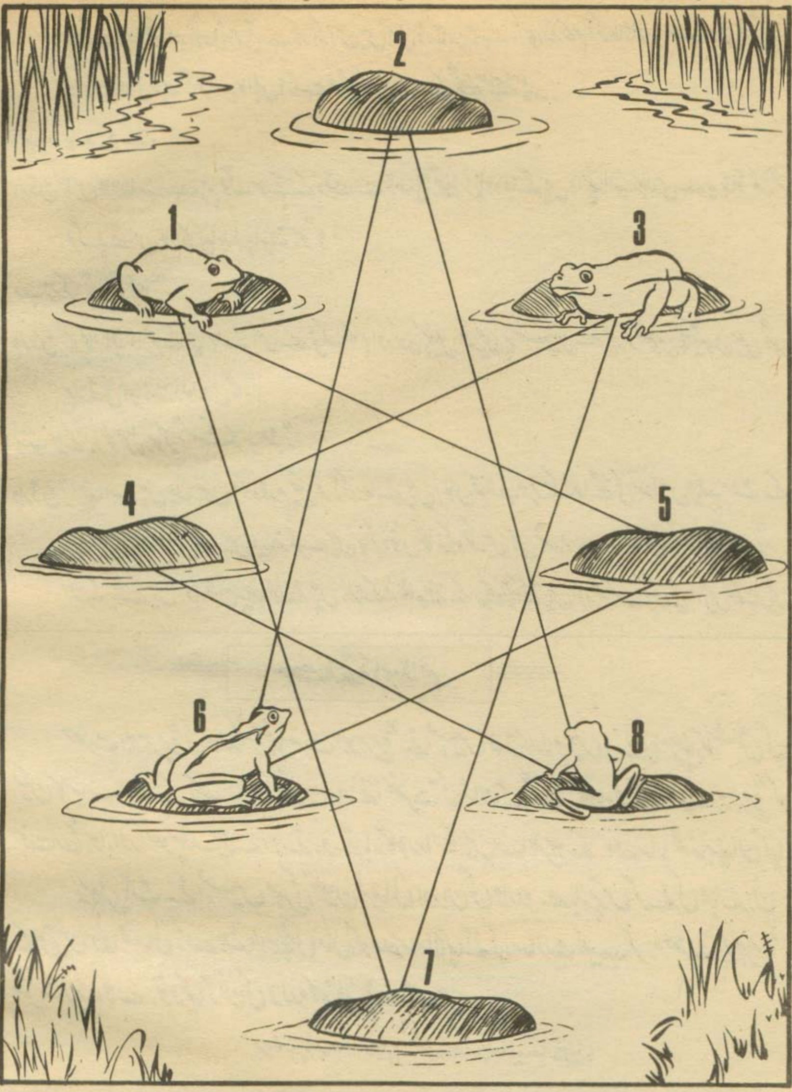

دونوں بڑے مینڈک چھوٹے مینڈکوں کی جگہ اور چھوٹے مینڈک بڑے مینڈکوں کی جگہ آنا چاہتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ صرف لائنوں کی سیدھ میں چھلانگ مار سکتے ہیں اور ایک پتھر پر ایک وقت میں ایک ہی مینڈک بیٹھ سکتا ہے۔ وہ کس طرح اپنی جگہ تبدیل کریں؟ ان کی مشکل حل کیجئے نا حل اسی شمارے میں کسی صفحہ پر دیکھئے

قُرۃ العین سیلم

پیار کا جادُو

پپّو اپنی کلاس میں ایک بے وقوف، کام چور اور خاموش طبیعت کا بچّہ مشہور تھا۔ اسکول دیر سے پہنچتا۔ کلاس میں سب سے آخری کرسی پر جا کر بیٹھ جاتا۔ ہوم ورک بھی کبھی کبھار ہی کرتا۔ کلاس میں ہر استاد سے چُھپنے کی کوشش کرتا کہ کہیں وہ کوئی سوال نہ کرلیں۔ مگر اساتذہ کو بھی اُسی سے سوال کرنے کا شوق تھا۔ ہمیشہ پچھلی کرسی سے اُسے اُٹھا لیتے اور ایسا سوال کرتے جو اس کے دماغ پر گولی کی طرح لگتا۔ وہ خاموش سر جُھکا کر کھڑا ہو جاتا اور دانتوں سے اپنے ناخن کاٹنے لگتا۔ بعض اوقات تو جیسے ہی کوئی استاد اُسے کھڑے ہونے کا حکم دیتے اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگتے اور ڈر سے سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کیا سوال کیا گیا ہے۔

پپّو اکثر دعا مانگتا کہ جیسے کہانیوں میں شہزادہ لال شال اوڑھ کر سب کی نظروں سے چھُپ جاتا تھا ایسی ہی ایک لال شال اُسے بھی کہیں سے مل جائے جسے اوڑھ کر وہ کم از کم حساب اور انگریزی کے استاد کو تو نظر ہی نہ آئے ...

ایسا نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ سے ایسا نکما اور بے وقوف مشہور تھا مگر ہوا یہ کہ پانچویں کے بعد اچانک اُس کے والدین نے اُسے اُردو میڈیم سے اُٹھا کر انگریزی میڈیم اسکول میں داخل کرا دیا تھا۔ پہلے ہی دن وہ کسی سوال کا جواب نہ دے پایا اور اُسے کئی بار سزا ملی اور وہ بے وقوف اور کند ذہن مشہور ہوگیا۔ تب ہی سے وہ بہت لاپروا اور کام چور بھی ہوگیا۔ تمام اُستاد اُس سے نالاں تھے "احمق! یہاں آؤ" حساب کے استاد چیخ کر بلاتے۔ پپّو سمجھ جاتا کہ اُسے ہی بُلایا گیا ہے۔ خاموشی سے اُن کے سامنے جاکر کھڑا ہو جاتا "یہ تم نے سوال حل کیا ہے؟" وہ اس کا کان اتنی زور سے مروڑتے کہ وہ درد سے دُہرا ہو جاتا "نکمّے تم زندگی میں کچھ نہیں کر سکتے" وہ بقیہ سوالات کو بھی لال قلم سے کاٹتے ہوئے کہتے اور کاپی اُس کے سر پر دے مارتے وہ خاموشی سے کاپی اُٹھاتا اور اپنی آخری کُرسی پر جا بیٹھتا اور دانتوں سے اپنے ناخن کاٹنے لگتا۔ ایک یہی کام وہ پابندی سے کرتا تھا۔ جہاں کسی اُستاد نے ڈانٹا، مُرغا بنایا یا کبھی دو چار ہاتھ جما دیے وہ خاموشی سے سہتا اور پھر اپنی کُرسی پر بیٹھ کر کٹ کٹ کٹ، دانتوں سے ناخن کاٹنے بیٹھ جاتا۔

آج بھی انگریزی کے استاد نے جواب نہ دینے پر اُسے سزا دی اور کہا کہ وہ کلاس کے کونے میں دیوار کی طرف منہ موڑ کر کھڑا ہو جائے اور ان کے جانے کے بعد بھی پندرہ منٹ اسی طرح کھڑا رہے۔ لہٰذا وہ ایک کونے میں کھڑا تھا کہ سائنس کی ٹیچر آگئیں۔ آج چھٹی کلاس کو سائنس پڑھانے کے لیے اُن کا پہلا دن تھا۔ سارے بچے احترام میں کھڑے ہوگئے صرف پپّو ہی منہ موڑے کھڑا تھا۔ بچّوں کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے مس نے پپّو کو آواز دی "ارے بھئی آپ کیوں منہ موڑے کھڑے ہیں، یہاں آئیے" اور پپّو ان کے پاس آ کھڑا ہوا "کیا نام ہے آپ کا" انھوں نے شفقت سے پوچھا۔ مگر پپّو نے جواب نہیں دیا۔

"مس یہ کسی بڑے کو جواب دینا گستاخی سمجھتا ہے جواب نہیں دیتا" مانیٹر نے شوخی سے کہا۔ پوری کلاس میں دبی دبی سی ہنسی گونجی۔

"مس شاید اسے اپنا نام بھی نہیں معلوم" کلاس کے ایک کونے سے آواز گونجی۔

"ارے جب ہم چھوٹے تھے ہمیں بھی اپنا نام نہیں معلوم تھا خود کو مُنّی کہا کرتے تھے مگر بھئی یہ تو بہت ذہین لگتے ہیں یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ انھیں اپنا نام معلوم نہ ہو" مس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مس اسے پہلی دفعہ کسی نے ذہین کہا ہے ویسے اس کا نام پپّو ہے" ایک بار پھر مانیٹر نے کھڑے ہو کر بتایا۔ کلاس میں پھر دبی دبی ہنسی کی آواز گونجی۔

"نہیں بھئی پپّو تو کوئی نام نہیں ہے۔ یہ تو گھر میں اکثر پیار سے کہا جاتا ہے۔ اصل نام تو ہمیں پپّو ہی بتائیں گے۔ آپ لوگ مت بولیے گا" مس نے پھر نرمی سے کہا "ہاں تو نام بتائیے نا"

"میرا نام سعد ہے" اُس نے بہت آہستگی سے جواب دیا۔

"شاباش۔ سعد نے تو فوراً بتا دیا ہے۔ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ یہ بہت ذہین ہیں۔ جائیے اپنی کرُسی پر جاکر بیٹھئے" مس نے سعد سے کہا اور وہ اپنی پچھلی نشست پر جا بیٹھا۔

"سعد اتنے پیچھے کیوں بیٹھے ہیں مجھے تو نظر بھی نہیں آرہے، آگے آکر بیٹھیے۔ ہم آپ سے اور بھی سوال کریں گے"

"لیکن مس۔۔۔" سعد کچھ نہ کہہ پایا۔ اُسے ڈر لگ رہا تھا کہ اُس نے سوال کا جواب دیا تو مس بھی اُسے بے وقوف سمجھنے لگیں گی "لیکن ویکن کچھ نہیں، اگلی سیٹ پر بیٹھیے خالی پڑی ہے" مس نے مسکرا کر کہا "آج آپ کی کلاس میں ہمارا پہلا دن ہے سب بچے پہلے اپنا تعارف کرائیں اور یہ بتائیں کہ وہ کیا بننا چاہتے ہیں۔ چلیے سعد پہلے آپ ہی بتائیے" مس نے سعد کو کھڑا کر دیا۔ سعد کی تو سٹّی گم ہو گئی۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا "ہاں بھئی بتائیے" مس نے اُس کے قریب آکر پوچھا "مس حساب کے ٹیچر کہتے ہیں تم زندگی میں کچھ نہیں کر سکتے تم نکمّے اور بے وقوف ہو" سعد کی آنکھوں میں آنسو آگئے "ارے یہ کتنی بے وقوفانہ بات انھوں نے کہی۔ نہیں سعد کوئی بے وقوف نہیں ہوتا۔ اچھا آپ مجھ سے وعدہ کیجئے کہ خود کو بے وقوف نہیں سمجھیں گے" "مگر مس میں بہت غلط جواب دیتا ہوں" سعد نے بے بسی سے کہا۔

"ارے تو غلط جواب دے کر ہی تو صحیح جواب معلوم ہوگا۔ ہم آپ کو صحیح جواب بتانے ہی تو آتے ہیں"

مس نے بہت محبّت سے اُسے سمجھایا۔ تب پہلی دفعہ سعد نے خود کو نکمّا اور بے وقوف نہیں سمجھا۔ آج اُسے کلاس میں ڈر بھی نہیں لگ رہا تھا نہ پیریڈ گزارنا مشکل لگا۔ اُس نے کئی سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی اور مس نے اُسے شاباش بھی دی اور اُس کے بہت منع کرنے پر بھی اُسے کلاس کا مانیٹر بنا دیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ سردی کے دن تھے لحاف میں سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا تھا مگر مانیٹر کو اسکول لگنے سے پہلے پہنچنا ہوتا تھا اور کلاس کی صفائی اس کے ذمّہ تھی۔ الماری کی چابیاں بھی اُس کے پاس تھیں جس میں سے چاک اور ڈسٹر نکال کر میز پر رکھنا تھے۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھا اور جلدی سے تیار

ہو کر اسکول لگنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا جو ذمہ داری اُسے دی گئی تھی وہ اُسے اچھی لگ رہی تھی۔ وہ بہت دن بعد جلدی اسکول پہنچا تھا۔ اُس نے بہت محنت سے کلاس کی صفائی کی اور چیزیں میز پر ترتیب سے رکھیں، سعد کا دل چاہتا تھا جلدی سے سائنس کا پیریڈ آجائے۔ اُس نے ہوم ورک بھی بغیر سمجھے نہیں کیا تھا بلکہ سوالات کو کئی بار سمجھ کر جواب لکھے تھے۔ اسی لیے اُس دن ہوم ورک کی کاپی پر اُسے شاباش ملی۔ سعد نے دوسری کلاسوں میں بھی جواب دینے کی کوشش کی اور غلط جواب دینے پر بے وقوف کا خطاب پاکر بھی خود کو بے وقوف نہ سمجھا بلکہ پھر سمجھنے کی کوشش کی۔

رفتہ رفتہ سائنس کی مِس کے علاوہ دوسرے اساتذہ بھی اُسے شاباش دینے لگے اور اُس کی کاپیوں کے صفحوں پر گڈ، ویری گڈ کا اضافہ ہونے لگا اور جب چھٹی جماعت کا نتیجہ نکلا تو وہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوگیا تھا کیونکہ اب وہ ایک ذہین اور ذمہ دار بچّہ تھا۔

قبر کا عذاب

اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص کی بہن مدینہ منورہ کی دوسری طرف رہائش پذیر تھی وہ بیمار ہوگئی۔ ..... بھائی روزانہ جاکر اس کی عیادت کرتا، آخر کار وہ فوت ہوگئی اور اسے دفن کردیا گیا۔ دفن کے بعد اس کا بھائی واپس آیا تو اسے یاد آیا کہ اس کی ایک تھیلی قبر میں بہن کے ساتھ ہی گر گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو ساتھ لیا۔ دونوں قبر کے پاس آئے اور قبر کھود کر تھیلی نکال لی۔ اس آدمی نے کہا۔ "ذرا ہٹ جا نا میں دیکھوں، وہ کس حال میں ہے"۔ اس نے لحد سے رکاوٹ ہٹائی تو دیکھا قبر سے آگ نکل رہی ہے وہ واپس اپنی والدہ کے پاس آیا اور پوچھا کہ میری بہن کیا کرتی تھی؟ اس نے بتایا۔ "تیری بہن پڑوسیوں کے دروازے پر جاکر کان دھرتی پھر بات سُن کر چغلی کرتی اب پتا چلا کہ عذاب کیوں ہو رہا ہے"۔ چنانچہ جو شخص عذابِ قبر سے بچنا چاہے، وہ غیبت اور چغلی سے پرہیز کرے۔

مرسلہ، اظہار احمد۔ ناظم آباد، کراچی

"اپنے نام کی اینٹ"

انڈیانا کا ایک شخص سام ڈیوس اینٹیں بنانے کا کام کرتا تھا۔ ایک بار اس نے ایک اینٹ پر یونہی اپنا نام کندہ کردیا۔ اس واقعے کے ۲۲ برس کے بعد جب وہ ایک نئے مکان میں منتقل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے نام کی وہی اینٹ نئے مکان میں لگی ہوئی تھی۔

انکل آئی کیو روبوٹ

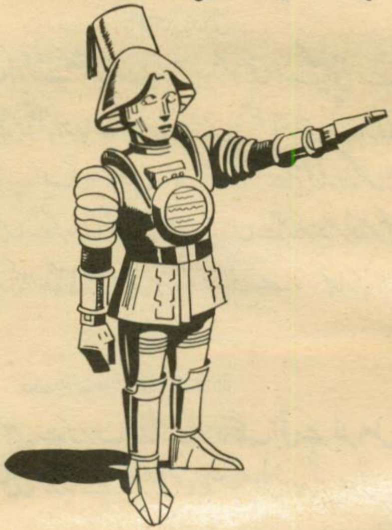

سوالاً جواباً

متناطیس لوہے کی چیزوں کو اپنی طرف کیوں کھینچتا ہے ؟

سید سبطِ اکبر زیدی کراچی

متناطیس صرف لوہے کو ہی نہیں بلکہ نکِل اور فولاد کو بھی اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ متناطیس میں برقی لہریں ہوتی ہیں جو لوہے، نکِل اور فولاد کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

بجلی کا بلب کس نے ایجاد کیا ؟

محمد ندیم طاہر، لوہار مارکیٹ، رحیم یار خاں

بجلی کا بلب ایڈیسن نے ایجاد کیا۔

آسمان پر اکثر ایک راکٹ نظر آتا ہے جو اپنے پیچھے دھویں دار لکیر چھوڑتا ہے اس کے متعلق کچھ بتلایئے ؟

محمد پرویز آرائیں، کوٹ عبدالمالک، لاہور

یہ جیٹ طیارہ ہوتا ہے۔ آپ کو اکثر غبارے پھلانے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ اگر غبارے کو پھلا کر ایک دم چھوڑ دیں تو وہ تیزی سے ایک طرف کو اڑ جاتا ہے، بالکل اسی اصول پر یہ طیارہ کام کرتا ہے۔ چونکہ ایندھن توانائی میں

تبدیل ہوکر دھویں کی شکل میں تیزی سے خارج ہوتا ہے اس لئے دور تک ہمیں آسمان پر سفید لکیر نظر آتی ہے۔

کوئی چیز جب اُوپر پھینکی جائے تو وہ نیچے کی طرف کیوں واپس آتی ہے؟

سید سعد احمد، ناظم آباد، کراچی

اس کی وجہ زمین کی قوتِ کشش ہے جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اگر یہ قوت جسے کشش ثقل کہتے ہیں ایک سیکنڈ کے لئے بھی ختم ہو جائے تو اس کرۂ ارض پر اتنی تباہی و بربادی ہوگی جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس کو سمجھنے کے لئے آپ ایک تجربہ کریں۔ ایک لٹو لے کر اُسے تیزی سے گھمائیں اب اس پر ایک مٹھی ریت آہستہ آہستہ ڈالیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ریت لٹو پر رکتی نہیں بلکہ اس سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر بکھر جاتی ہے۔

برف کا ٹکڑا پانی میں کیوں تیرتا رہتا ہے جب کہ وہ پانی سے۔۔۔ بھاری ہوتا ہے۔ اصولاً اسے ڈوب جانا چاہیئے۔؟

محمد ایوب خان ایوبی، ذمے والا

اس کی وجہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ برف کے ٹکڑے کو سوئمنگ آتی ہے۔ بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ پانی سے ہلکا ہوتا ہے اس لئے نہیں ڈوبتا ہے۔ لکڑی بھی چونکہ پانی سے ہلکی ہوتی ہے اس لئے وہ بھی پانی میں نہیں ڈوبتی۔

سیب چھیلنے کے بعد سرخ کیوں ہو جاتا ہے؟

دانش ظفر، فیصل آباد

سیب کے چھلے ہوئے حصّے کی رنگت سرخ پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ سیب میں فولاد موجود ہوتا ہے جو ہوا میں موجود آکسیجن سے مل کر تھوڑی دیر میں چھلے ہوئے حصّے پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح سیب کے کٹے ہوئے حصّے کی رنگت ہلکے بھورے رنگ کی ہو جاتی ہے۔

مچھلی تو پانی کے اندر گلپھڑے کی مدد سے سانس لیتی ہے۔ مینڈک پانی میں کس طرح سانس لیتا ہے؟

سونیا حیدر۔ راولپنڈی

مینڈک پانی کے اندر اپنی جِلد کے ذریعے سانس لیتا ہے۔

انکل ایک تندرست آدمی کے جسم کا اندرونی درجۂ حرارت کتنا ہوتا ہے۔؟

محمد اکرم لیالوی، وکیل والا، ننکانہ صاحب

ایک تندرست آدمی کے جسم کا درجۂ حرارت عام حالت میں ۹۸ درجے فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔

انکل آپ کے نام میں لفظ "آئی کیو" کا مطلب کیا ہے ؟

کاشف عمران۔ پشاور۔ شکیل احمد۔ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان

حضرات، ہمارے نام میں لفظ "آئی کیو" کا مطلب ذرا مشکل سا ہے یعنی INTELLIGENCE QUOTIENT (انٹلی جنس کوشینٹ)

ٹیلی وژن کے موجد کا کیا نام ہے ؟

(حامد علی شاہد۔ لاوہ چکوال۔ سید محمد ثناءاللہ شاہ۔ اتفاق آباد)

ٹیلی وژن کے موجد کا نام جان لوگی بیئرڈ ہے۔

انکل، چاند زمین سے بڑا ہے یا چھوٹا ؟

عظمیٰ امین۔ فیصل آباد

بھتیجی صاحبہ، چاند زمین سے اسّی گنا چھوٹا ہے۔

اگر چاند سے زمین کو دیکھا جائے تو کس طرف دیکھنا ہوگا ؟

محمد ارشد الہدیٰ عادل، قصبہ کالونی۔ کراچی

جس طرح ہم زمین سے چاند کو دیکھنے کے لئے اُوپر کی طرف دیکھتے ہیں بالکل اسی طرح اگر چاند سے زمین کو دیکھنا ہو تو بھی اُوپر کی طرف ہی دیکھنا ہوگا۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ چاند سے زمین بھی چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

انکل، اس دنیا میں انسان نے سب سے پہلے کیا چیز ایجاد کی تھی ؟

سید جاوید حیدر شاہ، اٹلانٹ ٹاؤن۔ راولپنڈی

اس دنیا میں انسان کی پہلی ایجاد "پہیہ" ہے۔ پہیئے کی ایجاد نے انسانی ترقی کے دروازے کھول دیئے۔ ذرائع نقل و حمل میں سہولت ہوئی اور فاصلے سمٹتے گئے۔

سورج زمین سے کتنا دُور ہے ؟

طارق رحیم۔ ناظم آباد۔

سورج، زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور واقع ہے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ انکشاف یہ سُن لیں کہ جنوری میں زمین سے سورج کا فاصلہ نو کروڑ دس لاکھ پچاس ہزار میل ہوتا ہے جبکہ جون میں یہ فاصلہ نو کروڑ چالیس لاکھ پچاس ہزار میل ہو جاتا ہے۔

بہت جلد آنکھ مچولی کا قہقہہ نمبر

شائع ہونے والا ہے

جس میں

★ ہنسنے ہنسانے والی کہانیاں ★ منہ چڑاتے کارٹون ★ گدگداتی نظمیں قہقہہ بار لطیفے ★ مزیدار کالم ★ شگفتہ تصویریں اور ایسی چٹ پٹی تحریریں شامل ہوں گی، جو ذہن کو ہلکا پھلکا اور تر و تازہ کر دیتی ہیں۔

مایۂ ناز مزاح نگاروں کی نگارشات سے مرصع

اردو کے مزاحیہ ادب کا عطر

..... لیکن "قہقہہ نمبر" کیلئے کچھ آپ بھی تو لکھیئے!

کوئی دلچسپ واقعہ، چلبلی شرارت، مزاحیہ نظم یا کوئی بھی ہنستی مسکراتی گدگداتی تحریر،

ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

پتا: قہقہہ نمبر ماہنامہ "آنکھ مچولی" ڈی ۔ ۱۱۲ نورس روڈ سائٹ، کراچی ۱۶

آنکھ مچولی گشتی ٹرافی۔

رپورٹ:۔ الف، شین، خان

بین المدارس تقریری مقابلۂ سیرت النبیؐ کی رُوداد

اسکولوں میں طلباء و طالبات صرف پڑھنے ہی کے لیے تو نہیں آتے۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ بہت سی غیر نصابی دلچسپیاں بھی ہوتی ہیں۔ جن کی اہمیت کسی طرح پڑھائی سے کم نہیں ہوتی۔ مثلاً تقریری مقابلے کھیل کود کے مقابلے، مختلف قسم کی تقریبات وغیرہ۔ ان چیزوں سے طلباء و طالبات کی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے اور وہ اچھے طالب علم، اچھے مقرّر، اچھے کھلاڑی بنتے ہیں۔

ادارہ "آنکھ مچولی" کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ اسکولوں کے طلبہ و طالبات کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جائے۔ ان کی سیرت کی تعمیر کی جائے۔ اس مقصد کے لیے "آنکھ مچولی" نے بین المدارس تقریری مقابلۂ سیرت النبیؐ میں "آنکھ مچولی گشتی ٹرافی" دینے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں پنجابی سوداگر ایجوکیشنل فاؤنڈیشن کے زیرِ انتظام اور ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے تعاون سے ۲۸ جنوری کو بین المدارس تقریری مقابلۂ سیرت النبیؐ منعقد ہوا۔ مقام تھا، ڈی ایم ایس بوائز سیکنڈری اسکول کا خوبصورت اور وسیع ہال۔ مقررہ وقت پر تلاوتِ کلام پاک سے پروگرام کا آغاز ہوا۔

پہلا سیشن پہلے سیشن میں طالبات نے حصّہ لیا۔ اس سیشن کی مہمانِ خصوصی ویمن کالج کی لیکچرار پروفیسر نسیم بیگم تھیں۔ پہلی ٹیم کی پہلی مقرّرہ صالحہ خانم نے سیرت النبیؐ پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں جو بڑے بڑے ہیرو گزرے ہیں اُن کی شخصیت کسی نہ کسی لحاظ سے نامکمل تھی۔ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ

طلبہ کے سیشن کا ایک منظر

مہمانِ خصوصی، صدرِ محفل اور طلبہ و طالبات تقریر کرتے ہوئے

وسلم ہر طرح سے انسان کا حل تھے انھوں نے جسم کی صفائی اور کھانے پینے کے آداب سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک میں انسانوں کی رہنمائی کی۔

طالبات نے بہت اچھی اچھی تقریریں کیں اور سیرتِ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر بڑی خوبصورتی سے مدلل انداز میں روشنی ڈالی۔ مختلف طالبات نے اپنی تقریروں میں کہا کہ حضورِ اکرمؐ کی زندگی سے زیادہ اچھی زندگی نہ کسی کی تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی۔ ہمیں چاہیئے کہ ان کی سیرت کو نہ صرف ہم خود پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں بلکہ اس پر عمل بھی کریں۔ مقررین نے موقعے کی مناسبت سے خوبصورت اشعار بھی پڑھے۔ اس سیشن میں کراچی کے ۲۵ بڑے اسکولوں کی ۴۰ طالبات نے حصّہ لیا۔

نتائج

منصفین کے فیصلے کے مطابق انوار العلوم گرلز سیکنڈری اسکول کی صولت عزیز اور نازیہ انیس اوّل، گورنمنٹ کمپری ہینسو ہائی اسکول برائے طالبات کی شازیہ محمد اور فریحہ بخاری دوم اور دہلی گورنمنٹ گرلز سیکنڈری اسکول ایف بی ایریا کی شازیہ فاروق اور زمرد بانو سوم نمبر پر رہیں۔ نیشنل ہائی اسکول کی عظمیٰ زاہد حسین کو خصوصی انعام کا حق دار قرار دیا گیا۔

دوسرا سیشن

یہ سیشن طلبہ کی تقریروں پر مشتمل تھا۔ اس سیشن کے مہمانِ خصوصی مظفر حسین نیازی (جنرل سیکریٹری جمعیت پنجابی سوداگران دہلی) اور صدر انیس الرحمٰن کالیا (نائب صدر جمعیت پنجابی سوداگرانِ دہلی) تھے

طلبہ نے سیرت النبیؐ پر بصیرت افروز تقریریں کرتے ہوئے کہا کہ حضورِ اکرمؐ نے دنیا میں تشریف لا کر کائنات کی تقدیر بدل دی اور انسان کو خدا سے ملا دیا۔ آپؐ نے صرف ۲۳ برس کے قلیل عرصے میں وہ تعلیم دی کہ عرب کے بدّو بڑے بڑے عالم بن گئے۔ آپؐ نے ہزاروں ذہنوں کو بغیر کسی جبر اور زیادتی کے بدل کر رکھ دیا۔ یہ انقلاب آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا کمال تھا۔ اس سیشن میں کراچی کے ۱۶ ممتاز اسکولوں کے ۳۰ طلبہ نے حصّہ لیا۔

نتائج

منصفین کے فیصلے کے مطابق ڈی ایم ایس بوائز سیکنڈری اسکول کے سیّد اکبر حسین اور طارق محمود نے پہلی، گلستانِ شاہ عبداللطیف اسکول (صبح) کے فرحان حسن اور سعید اے خان نے دوسری اور سلطان محمد شاہ آغا خان بوائز اسکول کریم آباد کے عرفان فتح علی اور سہیل صدرالدین نے تیسری پوزیشن حاصل کی۔

طالبات کے سیشن کے شرکاء

گرینڈ فوکس اسکول کے سید محمد عبد الماجد کو خصوصی انعام کا حق دار قرار دیا گیا۔

آخر میں ضمیر الدین احمد (مرحوم) کی روح کے ایصالِ ثواب کے لیے دُعا کی گئی۔

واضح رہے کہ "آنکھ مچولی گشتی ٹرافی" کا یہ مقابلہ سیرت النبیؐ کوالیفائنگ راؤنڈ تھا۔ اس۔۔ مقابلے میں پوزیشن حاصل کرنے والی ٹیموں کے درمیان فائنل مقابلہ ایک عظیم الشان تقریب میں ہوگا، جس میں فاتح ٹیم کو آنکھ مچولی گشتی ٹرافی دی جائے گی۔ باقی مقررین کو انعامات اور اسناد دی جائیں گی۔ کوالیفائنگ راؤنڈ میں حصّہ لینے والے سارے مقررین کو بھی اس تقریب میں تعریفی اسناد دی جائیں گی۔

جھلکیاں

● طالبات کے سیشن میں طالبات کے ساتھ آئی ہوئی خواتین ٹیچرز مسلسل بلند آواز میں اُن کی ہمّت افزائی کرتی رہیں ● کئی طالبات ڈائس پر آتے ہی تھوڑا سا بول کر خاموش کھڑی رہ گئیں اور بالآخر ندامت بھری مُسکراہٹ یا بڑے غصّے میں ڈائس سے اُتر آئیں ● طالبات جب بھول جاتیں تو ایک آدھ ٹیچر بآوازِ بلند اظہارِ افسوس کرتیں ● ایک اسکول کی طالبہ کے بھول جانے پر دوسرے اسکول کی خاتون ٹیچر مُسکرائیں اور اس مقررہ کی ٹیچر کو طنزیہ نظروں سے دیکھنے لگتیں ● ایک مقررہ سیرت النبیؐ کے بجائے "نماز" کی اہمیّت پر تقریر کرنے لگیں۔ کافی دیر بعد مہمانِ خصوصی کو احساس ہُوا تو انھوں نے اُسے ٹوکا ● طالبات نے تلفّظ کی غلطیاں بھی کیں ● ایک مقرر طالب علم نے ٹی وی کے ایک مشہور مقرر کی ہو بہو کاپی کر کے ڈھیروں داد حاصل کی ● ایک طالب علم نے زیادہ اچھی تقریر نہیں کی تو اُن کی والدہ محترمہ انھیں پروگرام کے درمیان سے ہی اُٹھا کر چلی گئیں۔ ● اکثر طلبہ درمیان میں تقریر بھول جاتے اور اِدھر اُدھر سے تانا بانا جوڑ کر دوبارہ بولنے لگتے ● ایک چھوٹا بچّہ پروگرام کے دوران مسلسل اِدھر اُدھر گھومتا رہا اور اسٹیج پر چڑھنے کی ناکام کوشش کرتا رہا ● طلبہ و طالبات کی کثیر تعداد میں شرکت مذہب سے لگاؤ کا مظہر تھی۔

جہاں قالین وہیں صفائی

سنو وہائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

○ بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵	○ ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹
○ جمشید روڈ " ۴۱۱۳۰۲	○ امیر خسرو روڈ " ۴۱۳۶۹۵
○ کھارادر " ۲۲۵۸۰۳	○ راشد منہاس روڈ " ۴۱۱۳۰۲
○ گارڈن روڈ " ۷۲۲۴۳۳	○ حسن اسکوائر " ۵۲۶۵۳۹
○ برنس روڈ " ۲۰۲۳۳۶	

سنو وہائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ . کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار - راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

ایاز احمد فریدی

روشن روشنی

جھگڑا اس وقت شروع ہوا۔ جب وہ لڑکا دو اوور کھیل چکا تھا... اور اس نے اس دوران خاصا اسکور بنا ڈالا تھا۔ یہ گرمیوں کی چھٹیاں ختم ہونے سے چند دن پہلے کا ذکر ہے... پاکستان کی ٹیم انگلینڈ کے دورے پر تھی اور اس نے گوروں کی کرکٹ ٹیم کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ جمال کے محلے میں کچھ لڑکوں نے ٹینس بال کا ٹورنامنٹ شروع کیا تو جمال کی ٹیم کو بھی دعوت دی... لڑکے چونکہ "ہوم ورک" سے فارغ ہو چکے تھے۔ لہٰذا سب کے مشورے کے بعد جمال نے اپنی ٹیم اس ٹورنامنٹ میں داخل کر دی.... اور بڑی محنت سے اور اچھا کھیل کر وہ لوگ فائنل میں پہنچے یہ ٹورنامنٹ چونکہ بارہ سال سے کم عمر کھلاڑیوں کے لیے تھا لہٰذا جمال کی ٹیم سے دو کھلاڑی جو کہ اچھے بیٹسمین بھی تھے نہیں کھیل سکے کیونکہ ان کی عمر بارہ سال سے زائد ہو چکی تھی....

جمال نے ٹاس جیت کر پہلے دوسری ٹیم کو کھیلنے کی دعوت دی اور صرف تئیس رنز پر مخالف ٹیم کے پانچ کھلاڑیوں کو آؤٹ کردیا۔ چھٹے نمبر پر جو کھلاڑی کھیلنے آیا وہ عمر میں بارہ سال سے زائد عمر کا لگتا تھا۔۔ جمال کے ساتھیوں نے اس بات کی شکایت ایمپائر سے کی تو اس نے ٹورنامنٹ کمیٹی کو یہ شکایت پہنچادی۔۔۔ ٹورنامنٹ کمیٹی نے یہ کہہ کر میچ دوبارہ شروع کرادیا کہ ہم اس کی چھان بین کرتے ہیں۔۔۔ ادھر میچ شروع ہوا تو بڑی عمر کے لڑکے نے خوب اسکور بنانا شروع کردیا کمیٹی کے ارکان نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ واقعی لڑکے کی عمر بارہ سال سے کہیں زیادہ ہے۔ خود جمال کے علم میں یہ بات تھی کیونکہ وہ لڑکا جمال ہی کے اسکول میں بڑی کلاسوں کا طالب علم تھا۔۔ کمیٹی نے میچ رکوادیا۔۔ اور ایک ہنگامہ شروع ہوگیا پہلے تو بڑا لڑکا خوب مشتعل ہوا۔ کہ اس کی عمر بارہ سال سے کم ہے۔ لیکن کافی دیر بحث اور مباحثے کے بعد اس نے تسلیم کرلیا کہ اس کی عمر بارہ سال سے زائد ہے۔۔۔۔ جمال نے یہ سب کچھ خاموشی سے سُنا۔۔۔ اس نے اپنے لڑکوں کو کسی قسم کی بحث میں الجھنے سے منع کیا۔ کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اگر جمال اپنی شکایت واپس لے لے تو میچ ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔۔۔ جمال نے سختی سے انکار کردیا۔۔۔ کیونکہ وہ خود زائد عمر کی وجہ سے اپنے دو بہترین کھلاڑیوں کو ٹیم سے علیحدہ کرچکا تھا۔

جمال نے مزید کہا کہ" اس طرح تو ہر ٹیم کسی نہ کسی کو شامل کرنا چاہے گی جو کہ اصولاً غلط ہے"۔ لہٰذا وہ کسی بھی صورت میں زائد عمر کے کھلاڑی کو اجازت نہیں دے سکتے۔۔۔۔

ٹورنامنٹ کمیٹی نے جمال کی بات درست تسلیم کرتے ہوئے بڑے لڑکے کو کھلانے سے انکار کردیا۔ اور جمال کی ٹیم کو فاتح قرار دے کر ٹرانی ان کے حوالے کردی۔۔۔ اس پر بڑے لڑکے نے جمال کو دھمکیاں دیں کہ وہ اسکول کھُلنے پر اُسے دیکھ لے گا۔۔۔۔ جمال اُسے جانتا تھا اسکول میں وہ لڑکا کافی ضدی اور ہٹ دھرم مشہور تھا۔۔۔ کئی دفعہ اساتذہ سے اس سلسلے میں ڈانٹ کھاچکا تھا۔ چونکہ جمال کسی قسم کا جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے خاصا فکرمند رہا۔۔۔۔ ادھر اس کا چھوٹا بھائی کمال اور دوست راشد بھی فکرمند تھا۔۔۔۔ ان کا خیال تھا کہ ہمیں اس بات کا ذکر اپنے بڑوں سے ضرور کرنا چاہیئے جب کہ جمال نے دونوں کو سختی سے منع کردیا تھا کہ وہ اس کا ذکر اپنے والدین سے ہرگز نہ کریں کیونکہ ممکن ہے لڑکے کا غصّہ وقتی ہو اور بعد میں ٹھیک ہوجائے۔ بعد میں اس کا غصّہ نرم پڑنے پر بات یہیں ختم ہوجائے۔ لیکن دوسرے دن اسی بڑے لڑکے نے کسی کے ذریعے دھمکی بھیجی چونکہ جمال، کمال اور راشد اسکول جاتے وقت اسی محلّے سے گزرتے تھے۔ لہٰذا وہ انہیں وہیں تنگ کرے گا۔ ادھر راشد اور کمال فکرمند تھے۔۔۔ جمال خود بھی کم فکرمند نہیں تھا اس نے دونوں کو تسلّی دی۔۔۔۔ اِدھر کچھ دنوں کے لئے ماموں جان لاہور آئے تو جمال بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا موقعہ پاکر وہ اس سلسلے میں ماموں سے مشورہ کرے گا۔ اس نے یہ بات راشد اور کمال کو بھی بتائی دونوں بہت خوش ہوئے۔ جمال یہ بات والدین کے علم میں نہیں

لانا چاہتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ معمولی باتوں پر والدین کو پریشان کرنا مناسب نہیں۔

ادھر اس نے موقعہ پاکر ماموں سے بات کی تو وہ خوب ہنسے.... کہنے لگے۔

"دو دوستوں میں غلط فہمی ہوئی ہے ..... خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ تم پریشان مت ہو".... لیکن جب انہوں نے جمال کو اس قدر سنجیدہ دیکھا تو وہ خود بھی سنجیدہ ہو گئے۔ جمال نے ان کو ٹورنامنٹ اور اس کے بعد کے واقعات تفصیل سے سنائے اور ماموں کو بتایا کہ اب تک اس لڑکے کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا اب وہ ہمیں اسکول جاتے وقت راستے میں تنگ کرنا چاہتا ہے۔

ماموں نے سب کچھ سننے کے بعد جمال کو تسلّی دی اور اس سے کہا کہ جس روز تم اسکول جانے لگو اس دن صبح مجھے آگاہ کر دینا۔

جمال نے جاکر راشد اور کمال سے ماموں کا حوالہ دیا اور کہا کہ "فکر کرنے کی ضرورت نہیں ماموں سب کچھ خود سنبھال لیں گے"... دونوں یہ سب کچھ سُن کر خوش ہوئے اور تسلّی کا اظہار کیا۔

جس روز تینوں اسکول جانے کے لئے تیار ہو کر ماموں کے پاس پہنچے، ماموں نے انہیں اپنے پاس بٹھا کر سمجھایا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

اسکول میں سب حیران تھے کہ جمال اس لڑکے کے ہمراہ ہنستا ہوا اسکول میں داخل ہوا پھر انٹرول میں دونوں ایک ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھے گئے... لہٰذا جونہی کلاسیں ختم ہوئیں اور سب گھر واپس ہوئے تو سب نے جمال کو گھیر لیا اور سوال پوچھے...

"تمہارے ماموں نے کیا کیا آخر؟"...!!

"کیا وہ لڑکے کے والد سے ملے"...!!

"آخر کس طرح ہوا یہ سب کچھ"!

جمال نے اطمینان سے سب کی باتیں سُنیں اور ہنس کر کہنے لگا۔

"یہ سب نہیں... ہوا نہ ماموں جان ہمارے ساتھ آئے... نہ ہم اُس لڑکے کے والدین سے ملے.... بلکہ یہ سب کچھ ایک جملے سے ہو گیا...."

"وہ جملہ کیا تھا"! سب نے حیرانگی سے پوچھا

"السلام علیکم"... جمال نے مسکرا کر کہا...

"السّلام علیکم"... سب نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں... السّلام علیکم.. اور یہ سب کچھ ماموں جان نے بتایا... ماموں کہتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی صلعم کا یہی

فرمان ہے"...

"آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرو... کیونکہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور کینہ جاتا رہتا ہے...."

"ماموں کے کہنے کے مطابق جب میرا سامنا اس لڑکے سے ہوا تو وہ گھر کے سامنے کچھ اور لڑکوں کے ہمراہ کھڑا تھا... اس کے تیور اچھے نہیں تھے۔ انہوں نے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے چھپا کر سیاہی کی بوتلیں پکڑی ہوئی تھیں تاکہ اسے ہمارے کپڑوں پر گرا کر بدلہ لے سکیں... میں بالکل نہیں گھبرایا اور سیدھا ان کے پاس چلا آیا... پاس آنے پر میں نے بڑے خلوص سے صرف اتنا کہا "السلام علیکم"... بس یہ کہنا تھا جیسے جادو ہو گیا ہو... ان کے چہرے نرم پڑ گئے... چڑھی ہوئی تیوریاں ڈھیلی ہو گئیں اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ انہوں نے ہم سب سے ہاتھ ملایا اور ہمارے ساتھ ہی اسکول آئے، اور اب ہم دوست ہیں۔"

جب لاد چلے گا بنجارہ

امیرالمومنین مہدی نے ایک محل تعمیر کرایا۔ اور حکم دیا "کسی شخص کو محل کی سیر کرنے سے منع نہ کیا جائے آنے والے یا دوست ہوں گے یا دشمن اگر دوست ہوں گے تو اتنا خوبصورت محل دیکھ کر خوش ہوں گے اور اگر دشمن ہیں تو حسد کر کے خود ہی پریشان ہوں گے اور شاید دیکھنے والے تعمیر میں کوئی نقص بتائیں جو دور کیا جا سکے۔"

ایک فقیر نے کہا، "اس محل میں دو نقص ہیں۔ ایک یہ کہ آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ دوسرا یہ کہ یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔" خلیفہ... اس بات سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ محل غرباء اور فقراء کے لئے وقف کر دیا۔

تمہاری انگلی

ایک غریب آدمی اپنے دوست سے ملا جو دیوتا بن چکا تھا۔ غریب آدمی نے اپنی مفلسی کا رونا رویا تو دیوتا نے سڑک کے کنارے پڑی ہوئی ایک اینٹ کی طرف اشارہ کیا اینٹ سونے کے ڈلے میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے سونے کی اینٹ غریب آدمی کو دے دی۔ مگر وہ مطمئن نہ ہوا یہ دیکھ کر دیوتا نے اسے سونے کا بڑا سا شیر دے دیا۔ لیکن اس پر بھی اس کی تسلی نہ ہوئی۔

"تم اور کیا چاہتے ہو؟" دیوتا نے پوچھا۔

"تمہاری انگلی!" یہ غریب کا جواب تھا۔

مرسلہ: منور سلطانہ ______ کراچی

ظفر احمد خاں

منصوبہ

وہ ایک دفتر میں کیشیئر تھا تنخواہ بہت معمولی سی تھی، جس سے بس گزارا ہو جاتا تھا لیکن اُس کے کچھ خواب تھے۔ کچھ آرزوئیں تھیں، جنہیں وہ حقیقت کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا مگر اس کے محدود وسائل اس کی راہ میں حائل تھے۔ وہ اپنی قسمت کو کوستا رہتا کہ اس کے نصیب میں یہ ٹھاٹ باٹ کہاں؟ وہ چارپائی پر لیٹا یہی باتیں سوچ رہا تھا کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی مانند کوندا۔

"تو کیشیئر ہے۔ لاکھوں روپے تیرے سامنے بکھرے ہوتے ہیں۔ چند لاکھ روپے لے بھاگ!" یہ خیال آتے ہی اس کے ذہن نے اس... معاملے پر سنجیدگی سے سوچنا شروع کر دیا اور وہ ایک جامع منصوبہ ترتیب دینے لگا۔

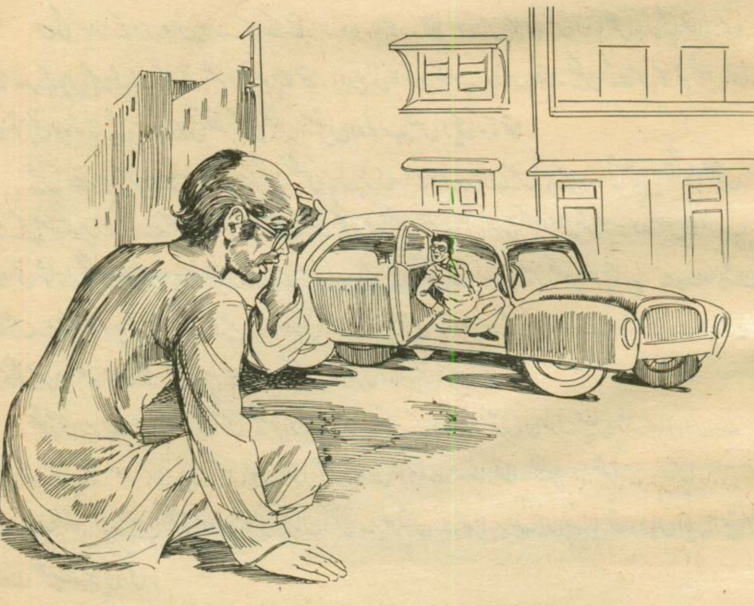

اگلے روز جب وہ دفتر روانہ ہوا تو اس کے ذہن میں ایک اچھوتا منصوبہ تھا۔ لیکن اُسے بہت احتیاط سے کام لینا تھا۔ دفتر پہنچ کر وہ اطمینان سے کام میں مصروف ہوگیا۔ شام ہوئی تو وہ کام کے بہانے دفتر ہی میں رُک گیا۔ اس وقت دفتر میں پانچ لاکھ روپے موجود تھے۔ اس نے رقم بریف کیس میں رکھی اور چپراسی کو دفتر بند کرنے کی ہدایت کرکے باہر آگیا۔ اب مسئلہ تھا، رقم چھپانے کا۔ اس کے قدم ایک سنسان علاقے کی طرف اُٹھنے لگے۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک قدآور درخت کے نیچے گڑھا کھودا۔ اور رقم اس میں دبا کر اطمینان سے گھر آگیا۔

صبح دفتر کا مالک بمع پولیس اس کے گھر پہنچ گیا۔ اور اسے گرفتار کرلیا گیا۔ یہی تو اس کا منصوبہ تھا۔ لیکن وہ انجان بنا رہا اور انہیں یقین دلانے لگا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اُس نے کوئی رقم نہیں چرائی۔

بالآخر اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ اس سے رقم کے بارے میں بہتیرا دریافت کیا گیا، مگر اس نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا۔ پولیس نے اس کے گھر کی تلاشی بھی لی۔ مگر بے سود۔ آخر اسے دس سال قیدِ بامشقت کی سزا سنادی گئی۔ اس کا منصوبہ بھی یہی تھا کہ اگر سزا بھی ہوجائے تو پروا نہیں۔ لیکن رقم کے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ جب سزا ختم ہوگی تو جاکر رقم نکال لوں گا۔ اس خیال کے ساتھ وہ خوشی خوشی سزا کاٹنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سنہرے سپنے تھے اور اسے اپنا مستقبل روشن نظر آرہا تھا۔

اس کی سزا کے دس سال پورے ہوگئے تھے۔ اور وہ رہا ہو رہا تھا۔ ان دس برسوں میں وہ بالکل بدل گیا تھا۔ اس کے سر کے بال کھچڑی ہوگئے تھے۔ جسم لاغر ہوچکا تھا۔ اور جوانی کا سارا شباب جاتا رہا تھا۔ لیکن اُسے اس کا غم نہیں تھا۔ اُسے تو اپنی وہ آرزوئیں پوری ہوتی نظر آرہی تھیں، جنہیں وہ خواب میں دیکھا کرتا تھا۔

جیل سے باہر آکر وہ ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی چل پڑی۔ اِن دس برسوں میں شہر میں کافی تبدیلیاں آگئی تھیں۔ اس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی میں اس طرح اکڑا بیٹھا تھا جیسے وہ کہیں کا نواب ہو اور اپنی شاندار چمکیلی کار میں اپنے ڈرائیور کے ساتھ سفر کر رہا ہو۔ وہ تصوّرات کی دنیا میں کھویا سوچ رہا تھا "میرے عالیشان بنگلے میں بے شمار نوکر چاکر ہوں گے، جو میرے استقبال کے لئے ہمہ وقت تیار ہوں گے۔ میں ادائے بے نیازی سے اپنے محل نما بنگلے میں داخل ہوں گا تو ملازم مجھے جھک جھک کر فرشی سلام پیش کریں گے۔"

تھوڑی دیر بعد اس کی منزل آگئی۔ ٹیکسی والے کو فارغ کرکے وہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔ جہاں اس نے پانچ لاکھ روپے کا بھرا ہوا بریف کیس چھپایا تھا۔ اُس کا دل خوشی سے سرشار تھا۔ لیکن .... لیکن .... یہ کیا .... !" اسے اپنی سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہوئی۔ جہاں اُس نے نوٹوں سے بھرا بریف کیس چھپایا تھا، وہاں ایک عالیشان عمارت تعمیر ہوچکی تھی۔

"اُف میرے خدایا...... !" اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اسے یوں محسوس ہوا، جیسے اس کی ٹانگوں سے جان نکل گئی ہو۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا اور وہیں بیٹھتا چلا گیا۔ اس کے خواب..... اس کی آرزوئیں..... اس کے سندر سپنوں کا محل کرچی کرچی ہو گیا تھا۔ اس نے جس وقت کے انتظار میں اپنی زندگی کے دس برس گنوا دیئے۔ اپنی جوانی کو قربان کر دیا۔ وہ وقت اس کی زندگی میں کبھی نہ آنے کے لئے جا چکا تھا۔

"یہ ... یہ کیا ہو گیا.....؟" اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ "شاید یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔" اُس نے بے بسی کے ساتھ سوچا۔ "کیسا بے مزا گناہ ہے۔!" اس کے دل سے آواز آئی۔ اور آنسوؤں کی دو لکیریں اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے دامن میں جذب ہونے لگیں۔

اچانک کسی گاڑی کی آواز آئی۔ اس نے نظریں اُٹھائیں اُسی عالیشان عمارت سے ایک لمبی سی سفید چمکیلی کار نکل رہی تھی۔ اس کار کو دیکھ کر اُسے یوں لگا جیسے اس کا دل کسی بھی لمحے دھڑکنا بند کر دے گا۔ کار میں ایک عورت اور مرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے زندگی کی حرارت سے دمک رہے تھے۔

"ذرا سنیئے.....!" جیسے ہی گاڑی اس کے قریب پہنچی، اس نے آواز دی۔ گاڑی رک گئی۔

"کیا بات ہے؟" مرد نے کھڑکی سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ..... یہ بنگلہ آپ کا ہے؟" وہ کچھ گھبرا سا گیا۔

"ہاں کیوں؟" اس آدمی کے نقوش تیکھے ہو گئے۔

"میرا ..... میرا مطلب ہے کہ ... آ... آپ کام کیا کرتے ہیں۔ یعنی اتنے روپے آپ کے پاس .... !" وہ کچھ ڈر سا گیا۔ اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ اس کے اس ادھورے جملے نے ہی اس شخص کو خاصا چونکا دیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ ظاہر ہے، روپے میرے اپنے ہیں۔ بزنس کرنے سے ہی میرے پاس آئے ہیں!" اس شخص نے اُس کے حلیئے کو غور سے دیکھتے ہوئے وضاحتی انداز میں کہا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"نہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے ناکہ پیسہ کہیں سے مل .....!"

"کیا بکواس ہے!" وہ شخص زور سے چیخا اور کسی کو آواز دی۔ فوراً ہی ایک ہٹا کٹا شخص نمودار ہوا۔

"جابر! ..... اس شخص کو اتنا مارو کہ یہ آئندہ اپنے قدموں سے چل کر ہمارے اس بنگلے تک نہ آسکے۔ یہ اُچکا ہمیں لوٹنا چاہتا ہے۔!" گاڑی والے نے اپنے ملازم کو حکم دیا اور گاڑی سے اتر کر اندر چلا گیا۔ اگلے چند لمحوں میں جابر نام کے اس تنومند شخص نے واقعی اُسے اتنا مارا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا۔

کچھ دیر میں پولیس بھی آ گئی۔ شاید اس شخص نے پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔ اسے بنگلے والوں کو لوٹنے اور قاتلانہ حملہ کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

قالین کی صفائی میں سب سے اعلیٰ

ٹپ ٹاپ

ڈرائی کلینرز

فون :۔ ۴۱۴۴۶۴

۴۳ ۷ ۱۴۳

علامہ اقبال روڈ

پی ای سی ایچ ایس

حسن اپارٹمنٹس
۴۴۴۰،۴۰

ڈیفنس سوسائٹی
۵۴۲۱۶۳

کلفٹن
۵۳۰۳۶۹

ناظم آباد
۶۱۳۸۱۶

ام رباب جعفری

دائرۂ معلومات

شرکت کا طریقۂ کار:- ہر سوال کا جواب ذیل میں دیے گئے چار اشاروں کی مدد سے دینا ہوگا۔ آپ کی سہولت کے لیے ہم نے ہر سوال کا درست جواب دائرے میں ہی کہیں لکھ دیا ہے اور کچھ اضافی نام بھی ساتھ ہی لکھ دیے ہیں، جن کا سوال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مقابلے میں شرکت کا طریقہ یہ ہے کہ آپ دائرے میں موجود درست جواب پر نیلے بال پوائنٹ سے اس کا سوال نمبر ڈال دیجئے اور اصل دائرہ کاٹ کر ہمیں ارسال کر دیجیے۔ ساتھ ہی ایک جانب اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور لکھیے۔ ادارے کی سہولت کے لیے ایک سادہ کاغذ پر بھی ترتیب وار درست جوابات لکھ دیجیۓ، اس طرح ہمیں آپ کے جوابات کا درست حل سے موازنہ کرنے میں آسانی رہے گی۔ جوابات وصول ہونے کی آخری تاریخ ۲۰، مارچ ہے۔ دائرے کے بغیر جواب قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

① انبیائے کرام	(i) زبور (ii) زرہ سازی (iii) نبی اسرائیل (iv) حضرت سلیمانؑ
② صحابہ کرام	(i) ابوالولید (ii) بنوخزاج (iii) شاعرِ رسول اللہؐ (iv) نعت
③ تاریخ اسلام	(i) الجامع الصحیح (ii) ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل (iii) بخارا (iv) ۸۷۰ء
④ تاریخ پاک و ہند	(i) ۱۷۸۶ء (ii) شاہ اسمٰعیل (iii) ۶ مئی ۱۸۳۱ء (iv) بالاکوٹ
⑤ تحریک پاکستان	(i) کیمبرج (ii) ابھی یا کبھی نہیں (iii) پاکستان (iv) ۱۹۵۱ء
⑥ پاکستان کی عظیم شخصیات	(i) عبدالکریم (ii) امرتسر (iii) چٹان (iv) ۱۹۷۵ء
⑦ پاکستان کے شہر	(i) عبوری دارالحکومت (ii) ایوب نیشنل پارک (iii) راجہ بازار (iv) لیاقت علیخان

۸ عالمِ اسلام (شخصیات)	(i) پان اسلام ازم (ii) العروۃ الوثقیٰ (iii) محمد عبدہٗ (iv) قسطنطنیہ
۹ عالمِ اسلام (ممالک)	(i) سات (ii) ابوظہبی (iii) ۲ دسمبر ۱۹۷۱ء (iv) شیخ راشد
۱۰ دنیا کے بڑے شہر	(i) اٹلی (ii) قرآن مجید (iii) ویٹیکن (iv) رومولس
۱۱ عالمی شخصیات (۱)	(i) ۱۸۵۷ء (ii) اسکاؤٹنگ (iii) میفکنگ (iv) ۱۹۴۱ء
۱۲ عالمی شخصیات (۲)	(i) جنوآ (ii) ۱۴۵۱ء (iii) امریکہ (iv) اسپین
۱۳ مشہور خواتین	(i) ۱۸۹۳ء (ii) قائد اعظم (iii) لالٹین (iv) موہٹہ پیلس
۱۴ مسلم سائنسدان	(i) ۹۷۳ء (ii) آثار الباقیہ (iii) قانونِ مسعودی (iv) ۱۰۴۸ء
۱۵ سائنس کی دنیا	(i) کرسمس کا تحفہ (ii) قوانینِ حرکت (iii) کشش ثقل (iv) پرنسپیا
۱۶ مشہور کھلاڑی	(i) ۹۴-۹۹ (ii) ۲۹ (iii) ۵۲ (iv) آسٹریلیا
۱۷ عالمی ادب	(i) ۱۶۶۰ء (ii) ڈی ریویو (iii) رابنسن کروسو (iv) ۱۷۳۱ء
۱۸ اردو ادب	(i) میر خلیق (ii) فیض آباد (iii) ۱۸۷۴ء (iv) حزیں
۱۹ علاقائی ادب	(i) خورشید عالم (ii) راجن پور (iii) مٹھن کوٹ (iv) کافیاں
۲۰ فنونِ لطیفہ	(i) اٹلی (ii) مصوّر (iii) مونالیزا (iv) ہوائی جہاز

دائرہ معلومات جنوری ۱۹۸۸ء کا درست حل

(۱) حضرت موسیٰؑ (۲) حضرت زبیر بن العوامؓ (۳) نادر شاہ درّانی (۴) جنرل بخت خان (۵) سر سید احمد خان
(۶) راجہ عزیز بھٹی شہید (۷) اسلام آباد (۸) آیت اللہ خمینی (۹) سعودی عرب (۱۰) ایمسٹرڈم
(۱۱) مسولینی (۱۲) بنجمن فرینکلن (۱۳) کیتھرائن دی گریٹ (۱۴) ابوبکر محمد بن زکریا رازی (۱۵) جان ڈالٹن
(۱۶) حنیف محمد (۱۷) رڈیارڈ کپلنگ (۱۸) داغ دہلوی (۱۹) خوشحال خان خٹک (۲۰) موزارٹ

۳۔ خوش نصیب ساتھی، جو بذریعہ قرعہ اندازی انعام کے حقدار قرار پائے

(۱) سعدیہ ناظم ———— فیڈرل بی ایریا، کراچی
(۲) جاوید اقبال ناز ———— اقبال نگر۔ فیصل آباد
(۳) نازش گلزار علی ———— گارڈن ویسٹ۔ کراچی

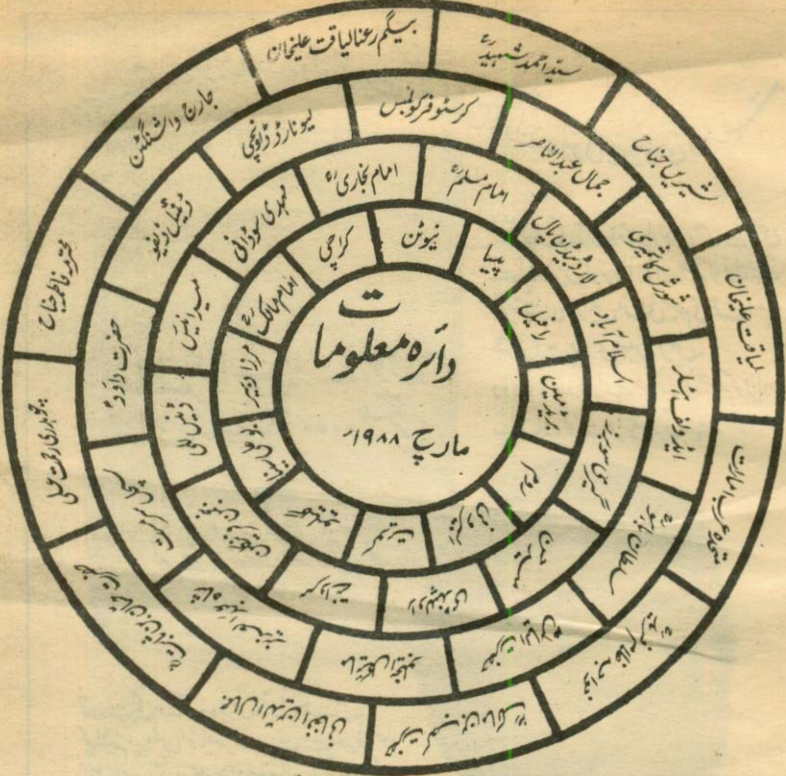

درست جوابات ارسال کرنے والے ذہین ساتھیوں کے نام

معراج سعادت، لطیف آباد حیدرآباد ، محمد سعد فیصل، سٹلائیٹ ٹاؤن رحیم یار خان ، مقصود احمد صدیقی، اورنگی ٹاؤن کراچی ، محمد سلیمان میمن، گلبہار نمبر ا، کراچی ، ثمرین شہزاد، منگھوپیر روڈ، کراچی ، منظہر اقبال منظہر، ڈاک خانہ سکھر ، فخرالحسن زیدی، کورنگی 5/2، کراچی ، خادم حسین بلوچ، لطیف آباد حیدرآباد ، غلام حسین میمن، کھائی روڈ، حیدرآباد ، ظہیرالٰہی بابر، ریلوے کالونی، حیدرآباد ، حمیرا فلک ناز مریم، دستگیر سوسائٹی، کراچی ، مرزا توصیف بیگ، شاہی بازار، حیدرآباد ، سلمان عبداللہ، رفاہِ عام سوسائٹی کراچی ، نعیم احمد ابدالی، رانگیواڑہ، کراچی ، ٹپکلائی پردھانانی، نواں کوٹ ، شاہ کریم عطار، الیف بی ایریا، کراچی ، محمد رضوان علی، گلشن اقبال، کراچی ، کاشف شکور غزل، نظامانی روڈ، سانگھڑ ، عاکف عالم خان، منگھوپیر روڈ، کراچی ، عبداللہ ریاض، طلحہ ریاض، کراچی ، محمد امین سیف الملوک، حسینی منزل، سانگھڑ ، محمد نصیر، چوہڑ پال، راولپنڈی ، جاوید شیخ، ملیر ہالٹ، کراچی

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت۔ جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
مستقبل کی بڑی ذمّہ داریوں کے لئے ابھی سے اپنے ذہن کو تروتازہ اور جسم کو توانا رکھئے غیر متوازن غذائیں انسانی جسم کی تمام ضروریات پوری نہیں کرتیں۔
دودھ واحد غذا ہے جو انسانی جسم کو زیادہ سے زیادہ قوّت فراہم کرتی ہے۔
سارے خواب پورے ہوں
سارے سُکھ پاؤ..... مگر
دُودھ تو پیو
قدرت کی عطا کردہ اِس انمول نعمت میں کیلشیم، پروٹین، وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا شامل ہیں۔ دُودھ کا روزانہ استعمال۔ اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے
دن میں دوبار دودھ پینا اپنی عادت بنا لیجئے۔
چاہیں تو دُودھ میں چاکلیٹ یا شربت ڈال کر پی سکتے ہیں۔
یوں گویا۔
غذا کی غذا
مزے کا مزا
اشتہار برائے بہبود اطفال: منجانب ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

MASS

ایک غلط جواب ارسال کرنے والے ساتھیوں کے نام

ارسلہ وش، سٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

سیدہ تصویر زہرہ، لیاقت روڈ، راولپنڈی

ظفر عباس زیدی، السادات کالونی، حیدرآباد

محمد عمران قادر، آسن داس محلہ، ٹنڈو آدم

مقصود احمد، لیاقت آباد، کراچی

محمد زبیر ولد مولانا محمد موسیٰ، لاہور

سہیل صدیق، نعمانیہ روڈ، گوجرانوالہ

قرۃ العین تارڑ، گلبرگ، لاہور

عاصم عبدالحمید بٹ، گلشن اقبال، کراچی

سید اسد معروف دوست، پشاور

صدف اشفاق، گلشن اقبال، کراچی

ولید محمد یعقوب، گڑھی شاہو، لاہور

ندیم میمن، فقیر کا پڑ، حیدرآباد

زاہد محمود، لیاقت آباد، کراچی

عادل مجید سونی، آدم جی نگر، کراچی

محمد انور میمن، شاہ پور چاکر

ریحانہ شمیم، آگرہ تاج کالونی، کراچی

غلام مصطفیٰ میمن، شاہ پور چاکر

خرم عبدالحمید بٹ، گلشن اقبال، کراچی

راشدہ علی محمد، پاکستان چوک، کراچی

جاوید رزاق، گذری آباد، کراچی

عبدالمتین، فیڈرل بی ایریا، کراچی

احمد، گڑھی شاہو، لاہور

ایم رفیق زاہد، شاہی بازار، گوادر

روبینہ احمد، لیاقت آباد، کراچی

صاعقہ بانو، شادمان ٹاؤن، کراچی

شازیہ حمید، ملیر، کراچی

سارا سجاد، نولکھا روڈ، پشاور

حسن مہدی خراسانی، انچولی، کراچی

جاوید احمد، لیاقت آباد، کراچی

حق اسکواڈ

ماہنامہ آنکھ مچولی کا مقبول ترین سلسلۂ تحریر
اخلاق احمد کی مہماتی کہانیوں کا دلچسپ مجموعہ

کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے۔ قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں

- برائیوں سے برسرِ پیکار ۹ کمسن مجاہدوں کے کارنامے ۔
- ذہانت اور شجاعت سے بھرپور حیرت انگیز واقعات ۔
- خوبصورت اسکیچز ـــ بہترین کتابت ـــ اعلیٰ طباعت
- حسین سرورق اور ۱۰۰ سے زائد صفحات ۔

قیمت صرف ۱۰ روپے

ـــ حق اسکواڈ کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوا دیں ۔
ـــ دوکاندار/ایجنٹ حضرات آرڈر سے مطلع کریں ۔

پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی۔ ۱۱۲ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

نئی تحریریں

کتّوں سے معذرت کے ساتھ

روبینہ احمد ـــــ کراچی

ہمارے اسکول کی ادبی انجمن نے احمد شاہ بخاری پطرس کی یاد میں ایک دوپہر منائی جس میں ان کا شاہکار مضمون "کتّے" پڑھا گیا۔ جب ہم سے اس مضمون پر اظہارِ خیال کے لیے کہا گیا تو فوراً ہی ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس تھما دیا گیا کیوں کہ اس وقت ہمارے چہرے کا جغرافیہ ہی کچھ ایسا ہو گیا تھا، جیسے حلق میں کچھ اٹک گیا ہو۔۔۔ اور واقعی ہمارے گلے میں یہ لفظ "کتّے" اٹک گیا تھا۔ خیر جی! اِس کو حلق سے اُتارنے کے بعد ہم نے کتّوں پر اظہارِ خیال شروع کر دیا کہ یہ کتّے بڑے ہی کُتّے ہوتے ہیں۔ کتّوں سے ہماری نفرت کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ جب ہم کسی کو بطورِ انتقام کچھ کہتے ہیں تو صرف اور صرف "کتّا" ہی کہتے ہیں۔ کتّوں سے ہماری رنجش کوئی ازلی نہیں ہے۔ اس کا آغاز بہت بھیانک طریقے سے ہوا تھا۔ قصّہ کچھ یوں ہے کہ ہمارے اسکول میں سالانہ کھیلوں کے مقابلے منعقد ہوئے ہم نے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور بہترین پرفارمنس دی۔ لہٰذا ہماری اور ہمارے ساتھیوں کی رائے میں پہلا نہیں تو دوسرا انعام تو ہمارا ہی تھا۔! اس رائے کے بعد تقسیمِ انعام واسناد کے موقع پر ہم بڑے زور و شور سے تیار ہو کر اسکول کی طرف چلے۔ جلسے میں ہمیں ایک تقریر بھی کرنی تھی جو ہم نے بقلم خود ۲½ دن کی محنت کے بعد لکھی تھی۔ تقریر بڑی احتیاط سے جیب میں رکھ کر ہم گھر سے نکلے موسم بے حد خوشگوار تھا۔ رات کی بارش کے بعد ہلکی ہلکی دھوپ میں ہر چیز نکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ موسم کے شاعرانہ پن سے متاثر ہو کر

ہم خراماں خراماں، بقول شاعر "وہ آ رہے ہیں کہ نسیم آ رہی ہے" چلے جا رہے تھے۔ تقریب شروع ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ تھا۔

ابھی ہم کچھ ہی دُور گئے تھے کہ ایک گرج سی سُنائی دی۔ ہم سمجھے کہ بارش پھر شروع ہونے والی ہے۔ لہٰذا اُوپر دیکھنا چاہا، مگر ہماری گردن ہماری مرضی کے خلاف

دائیں جانب اٹک کر رہ گئی۔ ہم نے دیکھا کہ دو ۲/۱ پہلوان نما کتے پتلی گلی سے راگ درباری الاپتے ہوئے نمودار ہوئے دونوں ہی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہم نے نظر بچا کر نکل جانا چاہا، مگر وہ ایک دم ہی گتھم گتھا ہو کر عین ہمارے سامنے آگرے، جہاں بارش کا پانی جمع تھا۔ اس ایٹم بم کے گرنے سے پانی میں گویا طغیانی سی آگئی اور ہمارے کپڑے آرٹ کا شاہکار بن گئے۔ حالانکہ ہم اپنی جگہ سے اچھلے بھی تھے مگر یہ اچھل کود بھی ہمارے کام نہ آسکی۔ اسی افراتفری میں تقریر ہماری جیب سے نکل کر کتوں کے قریب جا گری۔ ایک "پہلوان" نے اس پر نگاہِ غلط انداز ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ ہم نے سوچا اچھا ہی ہوا کہ گر گئی۔ جب کتوں نے لفٹ نہ کرائی تو اور کوئی کیا کراتا؟ پھر ہم اپنا حشر دیکھ کر بہت بھنائے اور قریب پڑا ہوا پتھر اُٹھا کر بغیر نشانہ لیے ہی اُن کی طرف اُچھال دیا۔ وہ اُن کو لگا تو نہیں، البتہ ہماری اس گستاخی پر اُنھوں نے ہم کو خوب زور و شور سے ڈانٹ دیا۔ ان کے ڈانٹنے سے ہمارے چودہ طبق روشن ہو گئے پھر تو ہم نے وہ دوڑ لگائی کہ پیچھے مُڑ کر بھی نہ دیکھا اور سیدھا اسکول پہنچ کر ہی رُکے۔ سانس درست کرتے ہوئے ہم اپنی کلاس میں گئے وہاں چند ساتھی موجود تھے۔ اُنھوں نے جو ہمارے حلیے پر نظر کی تو اُن کا منہ کھُلا کا کھُلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر دوسرے ہی لمحے ایک فلک شگاف قہقہہ پڑا جس پر ہم نے بھنّا کر پوچھا۔ "اس مصیبت کے وقت ہنسنے کا مطلب؟" تو ایک ساتھی نے نہایت ادب سے سر خم کر کے عرض کی "جنابِ عالی! گستاخی معاف! آج اسکول میں فنکشن ہے اور آپ کو انعام ملنے کی بھی توقع ہے۔ لہٰذا اس خوشی کے موقع پر ہم آپ کا حلیہ مبارک دیکھ کر صرف مسکرا دیے تھے۔" ہم نے بُرا مان کر جو اپنی حالت پر نظر کی تو ہوش آگیا۔ بے شکن و بے داغ کپڑے تجریدی آرٹ کا نادر نمونہ بن چکے تھے۔ بال اس طرح بکھر گئے تھے جیسے جنگل کی خود رو جھاڑیاں، ہمارے پیارے جُوتے جن پر رات کو ہم نے بڑے اہتمام سے پالش کی تھی، مگر اب یوں معلوم ہوتا تھا جیسے انھوں نے کبھی پالش کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔ غرض کہ تقریب میں شرکت کی ساری تیاری کیچڑ میں مل گئی تھی۔ جلدی سے ٹائم دیکھنا چاہا تو نظر ہی نہ آیا کہ اس پر بھی نظرِ کرم ہو چُکی تھی۔ اپنی ایک ساتھی سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ تقریب کے شروع ہونے میں صرف چوبیس منٹ رہ گئے تھے ایسے حلیے میں ہم باہر بھی نہیں جا سکتے تھے اور وقت بھی خاصا مختصر رہ گیا تھا۔

ساتھیوں کے استفسار پر ہم نے ان کو "الف" سے "ی" تک تمام رُوداد سُنائی، اور ساتھ ہی کتوں کو بھی ایسی بے نقط سنائیں کہ یاد ہی کیا ہوگا۔ ان کا نام لیے بغیر، مبادا کسی جاسوس کتے نے سُن لیا تو پھر کوئی نشست نہ جم جائے۔) خیر جی جب ہم اچھی طرح بھونک چکے۔۔۔ ہمارا مطلب ہے، اپنے دل کی بھڑاس نکال چکے تو ساتھیوں سے مشورہ مانگا کہ اب کیا کیا جائے؟ ایک نے کہا گھر چلی جاؤ۔ ایک اور نے مشورہ دیا کہ منہ ہاتھ دھو کر صبر کر لو۔ بس جی! بتایا نہیں جاتا کہ وہ دن کتوں کی مہربانی سے کیسے گزرا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ کتوں سے ہماری دشمنی کا آغاز ہو گیا!

بلند اخلاق

محمد سعید عباس ـــ ملیر۔ کراچی

فضل دین کسان پورے گاؤں میں محنتی اور شریف مشہور تھا وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا تھا۔ کبھی وہ اپنے کھیتوں میں ہل چلا رہا ہوتا تو کبھی پانی دیتا نظر آتا۔ وہ کاہلی کو گناہ سمجھتا تھا اور ہر کام دل لگا کر کرتا تھا۔ وہ وقت کی بہت قدر کرتا تھا، کسی کام سے گھر سے نکلتا تو کسی سے فالتو بات نہ کرتا۔ وہ جانتا تھا کہ زیادہ بولنا عقلمندی کا کام نہیں ہے اگر راستے میں کوئی واقف کار مل جاتا تو سلام دعا کرکے اپنی راہ پکڑتا۔ فضل دین رحم دل بھی بہت تھا کسی کو مصیبت میں دیکھ لیتا تو اپنا کام چھوڑ کر اس کی مدد کرتا اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے وہ گاؤں کے بڑوں کی آنکھوں کا تارا بن گیا تھا اور چھوٹے اُس کی محبّت کا دم بھرتے تھے۔

گاؤں کا چوہدری عنایت بہت چالاک آدمی تھا وہ گاؤں کے سادہ لوح لوگوں کو بے وقوف بنا کر اُن کا اناج بہت کم قیمت پر حاصل کر لیتا تھا اور شہر میں جا کر اچھے داموں فروخت کر دیتا تھا۔

فضل دین شام کو اپنے کھیتوں سے کام کرکے واپس لوٹا تو دیکھا کہ اس کی بیوی بہت گھبرائی ہوئی ہے۔

"کیا بات ہے؟" فضل دین نے پوچھا۔

"مُنّے کی طبیعت بہت خراب ہے میں اُسے لے کر حکیم صاحب کے پاس گئی تھی مگر انھوں نے کہا کہ اسے جلد سے جلد ساتھ والے گاؤں کے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ ورنہ بچّے کی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔" فضل دین کی بیوی بولی۔

"پھر اب کیا کریں؟" فضل دین نے پریشانی سے کہا۔

"تم چوہدری صاحب کا تانگہ مانگ لاؤ اس طرح ہم مُنّے کو لے کر جلد دوسرے گاؤں پہنچ جائیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں ابھی چوہدری صاحب سے تانگہ مانگ کر لاتا ہوں۔" فضل دین بولا اور چوہدری عنایت کی حویلی کی جانب چل پڑا۔ فضل دین چوہدری عنایت کے پاس پہنچا اور اُسے تمام بات بتا کر تانگہ مانگا۔

چوہدری عنایت پر فضل دین کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ غصّے میں آگیا اور بولا۔ "تیری یہ ہمت کہ تو میرا تانگہ مانگ رہا ہے، میرا تانگہ تجھ جیسے بھک منگوں کے لیے نہیں ہے سمجھے!" فضل دین سر جھکائے چوہدری عنایت کی حویلی سے نکلا اور اپنے گھر چل پڑا وہ یہ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ اب کیا ہوگا؟ گاؤں کے دوسرے لوگوں نے فضل دین کو پریشان دیکھا تو وہ اُس کے گرد جمع ہوگئے اور پریشانی کی وجہ پوچھنے لگے۔ جب اُن لوگوں کو سارا حال معلوم ہوا تو وہ بولے۔

"بھائی فضل دین! آپ ہم سب لوگوں کے محسن ہیں آپ نے ہر مصیبت میں ہماری مدد کی۔ ہر بُرے وقت میں ہمارا ساتھ دیا۔ اب قدرت نے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم ان احسانوں کا بدلہ اُتار سکیں۔"

رحیمو کمہار فوراً اپنی بیل گاڑی لے آیا۔ پھر فضل دین ان لوگوں کے ہمراہ اپنے بیمار بیٹے کو لے کر دوسرے گاؤں روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے بچّے کو ڈاکٹر صاحب کو دکھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے بچّے کو انجکشن لگایا اور چند دوائیں دیں۔ تھوڑی دیر بعد بچّے نے آنکھیں کھول دیں فضل دین اور اُس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

فضل دین اپنے کھیتوں میں پانی دے رہا تھا کہ اُسے پاس ہی موجود نہر سے شور کی آواز آئی۔ وہ فوراً اُدھر بھاگا۔ تو دیکھا کہ چوہدری عنایت کا پانچ سالہ بیٹا نہر میں غوطے کھا رہا ہے اور مدد کے لیے چیخ رہا ہے۔ وہ شاید نہر کے کنارے کھیل رہا ہوگا کہ پیر پھسل جانے سے نہر میں جاگرا فضل دین نے فوراً نہر میں چھلانگ لگادی اور ڈوبتے ہوئے بچّے کو پکڑ کر تیرتا ہوا کنارے پر پہنچ گیا۔

اتنی دیر میں چوہدری عنایت یہ خبر سُننے کے بعد گاؤں والوں کے ساتھ وہاں پہنچ گیا تھا۔ سارا واقعہ معلوم ہونے کے بعد اُس نے شرمندگی سے سر جُھکا لیا اور بولا۔

"فضل دین! اُس دن میں نے تمھیں اپنا تانگہ نہیں دیا تھا لیکن تم نے پھر بھی مجھ پر احسان کیا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔ تم اُس دن کا بدلہ آج مجھ سے لے سکتے تھے۔"

فضل دین بولا "چوہدری صاحب! اگر دنیا میں موجود سب لوگ بدی کا جواب بدی سے دینے لگیں تو دُنیا سے نیکی کا نام بالکل مِٹ جائے گا۔" فضل دین کی یہ بات سُن کر چوہدری عنایت نے وعدہ کیا کہ وہ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کرے گا۔ بلکہ سب کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے گا۔

نعت شریف

سیدھی راہ دکھانے والے   سچی بات بتانے والے
سچے بَن کر آنے والے   بگڑی بات بنانے والے

سب سے بڑھ کر سب سے انور
رحمتِ دو عالم، ساقیٔ کوثر

دونوں جہاں کے رحمت بَن کر   دینِ حق کی ہمّت بَن کر
چھائے سارے عالم پر وہ   کفر کے واسطے ہیبت بَن کر

قوم کے رہبر سب سے بہتر
رحمتِ دو عالم ساقیٔ کوثر

سب کو سیدھی سمت چلایا   سیدھا جو ہے رستہ دکھایا
ہر دِل سے مٹائی کدُورت   سینوں میں اِک نوُر جلایا

سارے زمانے کے ہیں راہبر
رحمتِ دو عالم ساقیٔ کوثر

فضلِ ربّی راہی ——— مینگورہ (سوات)

ریڈیو گپستان

جاوید اختر انصاری ——— اورنگی ٹاؤن، کراچی

یہ ریڈیو گپستان ہے۔ سورج کی ۴۶ اور چاند کی ۹۳ تاریخ ہے۔ گپستان اسٹینڈرڈ ٹائم کے مطابق رات کے پورے چودہ بج چکے ہیں۔ اب آپ مسٹر خواہ مخواہ سے گھسی پٹی خبریں سُنیے۔

یہ پہلی خبر ابھی ابھی ایک بکری پر سوار ہو کر آئی ہے

کہ کھیوڑہ شہر سے ایئر پورٹ نمبر ۱۳ پر ایک مچھر پرواز کے دوران ایک ہاتھی سے ٹکرا گیا۔ حادثے کے بعد معلوم ہوا کہ مچھر کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا جبکہ ہاتھی کے پرخچے اُڑ گئے

ایک اطلاع ابھی ابھی ایک گدھے سے اُتاری گئی ہے کہ مکھیوں کی فوج نے ایک حلوائی کی دُکان پر حملہ کر دیا۔ اس حملے میں مٹھائیوں کی بڑی تعداد جاں بحق ہوگئی ہے اور لاتعداد مٹھائیاں زخمی ہوئیں۔ کچھ مٹھائیاں جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوگئیں۔ زخمی مٹھائیوں کو فوراً ایمبولینس میں ڈال کر ایئر پورٹ پہنچایا گیا تاکہ علاج کے لیے مُلک سے باہر بھیجا جا سکے۔ مکھیاں بندوقوں اور بموں سے مسلّح تھیں اس لیے حملہ کرنے کے بعد وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگئیں۔ اعلیٰ درجے کی کھٹمل پولیس حملہ آوروں کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے۔

ابھی ابھی ہمارے ایک نامہ نگار نے کہا ہے کہ پرسوں مسٹر نکّے خان ایک درجن چوہوں کی بگھی میں سوار ہو کر محلّہ "دغا باز" سے ہوتے ہوئے سارے جنگل کی سیر کرنے کے بعد ایک گینڈے پر سوار ہو کر واپس اپنے مُلک چلے جائیں گے۔

کھیل

آج چڑی مار اسپورٹس گراؤنڈ میں ڈھانچہ کرکٹ کلب اور سانچہ کرکٹ کلب کا فائنل میچ ہوا جو ڈھانچہ کرکٹ کلب نے جیت لیا۔ ڈھانچہ کرکٹ کلب کی طرف سے مسٹر بینگن نے چھ چھکّے اور پانچ اَٹھے مار کر بھائی جان کا پچھلا ریکارڈ چُور چُور کر دیا۔ اس کے بعد مسٹر تربوز نے جیتنے والی ٹیم کو انعامات تقسیم کیے۔ جو انعامات بچ گئے وہ اپنے ایک چمچے کے ذریعے ہارنے والی ٹیم کو پارسل کروا دیا جس سے ان کو تین روپے پچھتر پیسے کا منافع ہوا۔

محکمۂ موسمیات کی پیش گوئی کے مطابق

موسم

آج محلّہ پھڈّے باز اور اسکول کے صحن میں جُوتوں اور ڈنڈوں کی بارش ہوئی اور ٹھیک پندرہ بج کر ۶۵ منٹ پر پکوڑوں اور گندے انڈوں کا طوفان آنے کا اندیشہ ہے ... ہاں ایک اور بات بھی ہمارے نامہ نگار نے بتائی ہے لیکن رہنے دیں کیونکہ اس وقت ہمارے اسکول جانے کا وقت ہو رہا ہے۔ انشاءاللہ اگلی صدی کے آخر میں پھر حاضر ہوں گے۔ اجازت دیجیے۔ خدا حافظ۔

آنکھ مچولی

اورنگزیب عالمگیر
گاؤں سڈھانڈی

دیکھو "آنکھ مچولی" آیا
ساتھ اپنے اِک تحفہ لایا
ہاکر بھیّا جلدی آؤ
"آنکھ مچولی" ہمیں دکھاؤ
کتنا پیارا، کتنا اچھا
"آنکھ مچولی" سب سے اچھا
رنگوں سے بھرپور سجا ہے
ڈنکا اس کا خوب بجا ہے
بچّو آگے بڑھتے جاؤ
آنکھ مچولی پڑھتے جاؤ
دیکھو "آنکھ مچولی" آیا
ساتھ اپنے اِک تحفہ لایا

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

محمد ندیم طاہر ـــــــــ رحیم یار خان

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بیسویں صدی کے شہرۂ آفاق مسلم رہنما اور شعلہ بیان خطیب تھے۔ آپ کے والدِ محترم حافظ سید ضیاء الدین احمد درویش صفت انسان تھے۔ حضرت امیرِ شریعت کا سلسلۂ نسب ۲۹ ویں پشت میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ چار سال کی عمر کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ماں کے سائے سے محروم آپ باپ کے زیرِ سایہ تربیت پانے لگے۔ آپ ضلع گجرات کے مشہور شہر پٹنہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کر کے مولانا نور احمد کے پاس امرتسر چلے گئے اور مولانا مفتی محمد حسن اور مولانا نور محمد کے پاس دین کی تعلیم مکمل کی شاہ جی کو کتاب اللہ وراثت میں ملی تھی۔ ننھیال کا گھرانہ دینِ مبین سے ناآشنا نہیں تھا۔ والدہ محترمہ قرآن کی حافظ تھیں۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سینہ بھی اس خزانے سے مالا مال تھا۔ تو پھر بیٹا اس دولت سے کیوں تہی دامن رہ سکتا تھا۔ دو سال میں قرآن ازبر کر لیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری عصرِ حاضر کے نامور مسلم رہنما اور ایسے شعلہ بیاں خطیب تھے، جن کی تاریخِ خطابت میں نظیر نہیں ملتی۔ آپ لاکھوں کے مجمعے سے آٹھ آٹھ گھنٹے خطاب کرتے اپنے خطابت کے جوش و جذبے اور مقناطیسیت سے سامعین کو ایسا مسحور کرتے کہ کوئی بھی شخص اپنی جگہ سے ہلنے نہ پاتا۔ اس پر محمد علی جوہر نے کہا تھا۔ شاہ جی مقرر نہیں ساحر ہیں" قدرت نے آپ کے گلے میں کچھ اس قسم کا رس اور تاثر بھر دیا تھا کہ جب آپ قرآنِ مجید کی قرأت کرتے تو یوں معلوم ہوتا، جیسے کلامِ الٰہی کا عرش بریں سے ابھی نزول ہو رہا ہے۔ آپ کی قرأت صرف مسلمانوں ہی کو مسحور نہ کرتی بلکہ ہندو، سکھ، انگریز یکساں طور پر مسحور ہوتے۔

۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو اُردو پارک دہلی میں ایک بڑے جلسۂ عام کا اہتمام کیا گیا۔ اس جلسے سے شاہ جی کو بھی خطاب کرنا تھا۔ اس اجتماع میں قریباً پانچ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ دہلی میں اس سے پیشتر اتنا عظیم اجتماع کبھی نہیں ہُوا تھا اس جلسے کی صدارت سید حسین احمد مدنی فرما رہے تھے بعض حضرات کی تقریریں جاری تھیں کہ اچانک انسانوں کے اس سمندر میں ایک لہر اٹھی اور ایک ارتعاش پیدا ہوا سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے جلسہ گاہ گونج اُٹھی۔ عوام اپنے محبوب رہنما کی جھلک دیکھنے کے لیے والہانہ انداز میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔۔ حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسٹیج پر تشریف لائے اور انتہائی دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ عوام کے پُرتپاک خیر مقدم کا جواب دیا۔ ابھی شاہ جی بیٹھے ہی تھے کہ ایک دوسرا قافلہ آن پہنچا۔ جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور برطانوی مشن کے سربراہ لارڈ پیتھک لارنس نمایاں تھے۔ اسٹیج اس وقت بین الاقوامی شخصیتوں کی وجہ سے ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔ قریباً ساڑھے گیارہ بجے رات شاہ جی مائیک پر تشریف لائے۔ آپ نے انسانوں کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر

پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ بعد ازاں آپ نے اپنے مخصوص انداز میں قرآنِ مجید کی تلاوت شروع کی۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا، شاہ جی کے گلے کی حلاوت اور آواز کے سوز سے ایسا محسوس ہوتا جیسے آیاتِ خداوندی کا نزول ہو رہا ہو۔ لاکھوں انسانوں کا مجمع پتھروں کا ڈھیر معلوم ہوتا تھا۔ چاروں طرف ہُو کا عالم تھا۔ پھر شاہ جی نے پاکستان کے متعلق تقریر شروع کی اور فجر کی اذان تک تقریر جاری رہی۔

یہ تھے سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری، جن کے اپنے تو کجا غیر بھی مدّاح تھے۔ انگریز کے خلاف اسلامیانِ برصغیر کو بیدار کرنے اور اُن میں حُریّت کی لگن پیدا کرنے میں شاہ جی کی خطابت نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اسی پر علامہ اقبال کہا کرتے تھے کہ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہے۔ ممتاز مجاہدِ آزادی آغا شورش کاشمیری کہا کرتے تھے کہ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری عہدِ صحابہ کی یادگار ہیں۔

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری ہماری دینی ملّی اور سیاسی تاریخ کا قابلِ فخر باب ہیں۔ آپ نے ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں وفات پائی۔ جب شفق نے لالہ و گل کا سا لباس پہن لیا۔ مؤذن مغرب کی اذان کے لیے اُٹھا ہی تھا کہ چھ بج کر پچیس منٹ پر برِصغیر کا عظیم مسلم رہنما اور خطیب اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیہِ راجعُون وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً بہتر برس تھی آپ کی نمازِ جنازہ میں قریباً دو لاکھ افراد نے شرکت کی آپ کو باغ لنگے خان ملتان کے مشہور باقری کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

خواب

شہانہ شمشاد ــــــ کراچی

رات کو جس دم ہم سو جائیں
خواب ہمیں کچھ ایسے آئیں
جھٹ سے ہم بھیّا بن جائیں
موٹر سائیکل تیز چلائیں
ابّا جب آنکھیں دکھلائیں
آنکھ ہماری پھر کھُل جائے

رات کو جس دم ہم سو جائیں
خواب ہمیں کچھ ایسے آئیں
جھٹ سے ہم آپی بن جائیں
بچّوں پر کچھ رُعب چلائیں
امّی جب چپّیڑ لہرائیں
آنکھ ہماری پھر کھُل جائے

رات کو جس دم ہم سو جائیں
خواب ہمیں کچھ ایسے آئیں
جھٹ سے ہم شنّی بن جائیں
پینٹنگز، پوسٹر خوب بنائیں
تیز چلیں جب خوب ہوائیں
آنکھ ہماری پھر کھُل جائے

حضرت لقمان کون تھے؟

حضرت لقمان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آپ نہ صرف بڑے حکیم اور دانا تھے بلکہ اپنے زمانے کے بادشاہ بھی تھے۔ قرآن مجید میں حضرت لقمان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے "بے شک ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔ وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پروا ہے" قرآن حکیم میں حضرت لقمان کی اس تعلیم کا ذکر کیا گیا ہے جو انھوں نے اپنے بیٹے کو دی۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی "اے میرے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ نماز قائم کر، بُرائی سے منع کر، نیکی کا حکم کر، تجھ پر جو مصیبت بھی آئے اس پر صبر کر، اور نہ زمین پر غرور سے چل، اپنی چال کو درمیانہ رکھ، اپنی آواز نرم اور دھیمی رکھ بے شک گدھے کی آواز بڑی ہی ناپسندیدہ آواز ہے"۔

قرآن حکیم نے حضرت لقمان کی حکمت و دانائی کی باتیں تو بتائی ہیں، لیکن قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت لقمان نبی یا رسُول تھے۔ بہرحال یہ پتا چلتا ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آئیں کہ اس نے ان کا ذکر اپنی کتاب (قرآنِ پاک) میں کر دیا۔

کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا "سب سے بڑا صابر کون ہے"؟ لقمان نے جواب دیا "جس کے صبر کے پیچھے کسی کو تکلیف دینے کا خیال نہ ہو"۔

پوچھا "عالم کون ہے"؟ جواب دیا "جو دوسروں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے"۔

پوچھا "بہترین آدمی کون ہے"؟ جواب دیا "غنی"

پوچھا "بدترین شخص کون ہے"؟ فرمایا "جو اس کی پروا نہ کرے کہ لوگ اس کو بُرائی کرتا دیکھ کر بُرا سمجھیں گے"۔

پوچھا "کیا غنی سے مُراد مالدار ہے"؟ جواب دیا "نہیں بلکہ غنی وہ ہے جو اپنے اندر بھلائی تلاش کرے"۔

فرمائش

امّی کوئی گیت سنائیں
تھوڑا میرا دل بہلائیں
آپ کی آنکھوں کا میں تارا
ہوں ابّو کا راج دُلارا
بات نہ یوں میری ٹھکرائیں
امّی کوئی گیت سنائیں
نمٹ چکا ہے کام بھی سارا
دیکھنا ہے اِک سپنا پیارا
نیند کی وادی میں پہنچائیں
امّی کوئی گیت سنائیں

پرنس وسیم بن اشرف، میاں چنوں

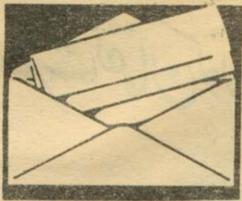

آؤ ملائیں ہاتھ

اِعلان

"آؤ ملائیں ہاتھ" کے کالم میں اپنا تعارف بھیجنے والے ساتھی عام طور پر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے ہوکر ڈاکٹر، انجینئر، پائلٹ، کرکٹر، وِنگ کمانڈر یا کچھ اور بننا چاہتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ اگر وہ کسی خاص پیشے کو اختیار کرنا چاہتے ہیں تو کیوں؟ ظاہر ہے کسی خاص پیشے کو پسند کرنے کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی۔ تعارف بھیجنے والے ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ آئندہ اپنے مستقبل کے ارادے کے ساتھ ساتھ اس کا سبب بھی بیان کریں۔ جس ساتھی کا جواب سب سے اچھا ہوگا اُسے آنکھ مچولی کا نیا شمارہ بطورِ انعام ارسال کیا جائے گا۔

(ادارہ)

محمد یوسف، گیارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہوکر سچا مسلمان بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، عربی
۴۸۳، محمد علی مارکیٹ، کلیٹن روڈ، —— کراچی

اشفاق احمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ اسلامی کتب پڑھنا
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں۔
پسندیدہ مضمون، ریاضی
مکان نمبر ۱۳۰/ وائی ایکس بلاک ہاؤسنگ اسکیم ابورے والا۔

عبدالرزاق عابد، سولہ سال
جماعت دہم، مشغلہ قلمی دوستی
بڑے ہوکر فوجی افسر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
آزاد ملکو اینڈ کولڈ ڈرنک ہاؤس، کوٹ غلام محمد، سندھ

مرزا ارشد محمود، چودہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ رسائل پڑھنا
بڑے ہوکر فوجی بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، اردو
ڈاکخانہ وبمقام جنڈھو، تحصیل گوجر خان، ضلع، راولپنڈی

انوار ارشد ، نو سال
جماعت نہم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
ابرار کتاب گھر، ——— بورے والا پنجاب

ریاض علی کمبوہ، چودہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ رسائل پڑھنا
بڑے ہو کر صدر پاکستان بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
چوہدری علی تسیر کمبوہ کونسلر چک نمبر ۷-۱۵/۲۹، میاں چنوں

فیصل مختار، بارہ سال
جماعت ششم، مشغلہ انگریزی پڑھنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگریزی
معرفت غازی مختار احمد، کنری، ——— ضلع تھرپارکر

طارق محمود، تیرہ سال
جماعت ششم، مشغلہ آنکھ مچولی پڑھنا
بڑے ہو کر کیا بنوں گا ابھی نہیں سوچا
پسندیدہ مضمون، انگلش
چک نمبر ۵، تحصیل بھلوال، ——— ضلع سرگودھا

منیر الدین، بارہ سال
جماعت ششم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
۱۱۰/۴۸ ناظم آباد، ——— اورنگ آباد کراچی

محمد اسلم ذکی، سولہ سال
جماعت نہم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، انگلش
معرفت نیشنل شوز اسٹور، ڈنگہ، ——— ضلع گجرات

رضوان رشید، تیرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
بڑے ہو کر ایماندار بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
معرفت ڈاکٹر رشید کھوکھر، ٹاؤن کمیٹی گھوٹکی، ضلع سکھر

ذیشان شوکت، گیارہ سال
جماعت پنجم، مشغلہ، مطالعہ کرنا
بڑے ہو کر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، سائنس
۹/۲۹-ای، ۵ فرسٹ فلور، پاپوش نگر، ——— کراچی

یامین یعقوب، تیرہ سال
جماعت نہم، مشغلہ اچھی کتب پڑھنا
بڑے ہو کر پائیلٹ بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، معاشرتی علوم
بلاک ۲-اے، ۳۰۱ شمع پلازہ، جی الانہ روڈ، کھارادر، کراچی

حافظ جاوید عادل، چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، رسالے پڑھنا
بڑے ہو کر اچھا شہری بننا چاہتا ہوں
پسندیدہ مضمون، ریاضی
مکان نمبر ۱۱۶۰/۱، نزد برف خانہ روڈ مدینہ کالونی، پتوکی

امّی ابّو کا صفحہ

مظفر بیگ :۔ مدیر "آئین" لاہور

"منّا" بہت ضدی ہوگیا ہے۔ بےحد پریشان کرتا ہے۔

"یہی حال میری بیٹی کا ہے۔ بات بات پر ضد کرتی ہے۔"

یہ گفتگو ہم اکثر سنتے ہیں۔ ہر جگہ اس "شکایت" کو موجود پاتے ہیں کہ بچّے ضدی ہو گئے ہیں۔ فرمائش پوری نہ کی جائے تو آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں، کوئی بات نہیں سنتے، کوئی بات نہیں مانتے۔

ہم یہ سب کچھ کہتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ اس میں خود ہمارا اپنا کتنا قصور ہوتا ہے۔

یہ جو ننھے منّے بھولے بھالے، پیارے پیارے سے وجود ہمارے "اس سلسلۂ شکایات" کا محور ہیں، ان کی نشو و نما، ان کی اُٹھان اور انکی تعمیر کا تمام تر انحصار ہم پر ہوتا ہے۔ ہمیں اس کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ ہم انہیں کیا بنا رہے ہیں۔ لیکن وہ وہی کچھ بنتے چلے جاتے ہیں جو ہم انہیں عملاً بنا رہے ہوتے ہیں۔

اس وقت بات ان کے ضدی بننے کی ہو رہی ہے، آیئے میں آپ کو ایک سیدھا سادھا اور آزمودہ نسخہ بتاؤں۔

آپ کا بچہ آپ سے کوئی چیز مانگتا ہے، کوئی فرمائش کرتا ہے۔ اب اگر آپ اس کے مطالبے کو پورا کرنے میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے اور اسے پورا کرنے میں کوئی ہرج یا رکاوٹ بھی نہیں ہے تو یہ مطالبہ پورا کر دیجئے۔

لیکن ...

اگر آپ کسی وجہ سے اُسے پورا کرنا صحیح نہیں سمجھتے تو انکار کر دیجئے۔

آپ کا انکار بڑا واضح ہونا چاہیئے، اسے جھوٹ موٹ کی "نہ" نہیں ہونی چاہیئے کہ بچے کو مچلتے دیکھا اور اس سے دست بردار ہو گئے۔ یا ادھر اس کی صدائے احتجاج بلند ہوئی اور ادھر آپ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

آپ کے انکار کو خوب سوچے سمجھے فیصلے کا نتیجہ ہونا چاہیئے۔

شروع میں وہ یقیناً مچلے گا۔ کیا عجب طوفان کھڑا کر دے۔ لیکن اگر آپ مضبوطی کا ثبوت دیں گے تو ایسے دو چار تجربات کے بعد بچے کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ جب امّی یا ابّو "نہ" کہہ دیتے ہیں تو وہ سچ مچ کی نہ ہوتی ہے اور اسی لیے اسے قبول کر لینا چاہیئے۔

اس سے جو فرق پیدا ہوگا۔ اسے آپ بہت جلد دیکھ لیں گے۔

ایک چھوٹی سی بات اور۔

مضبوطی کے ساتھ "نہ" کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ سختی کے ساتھ انکار کریں۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کی "ہاں" کی طرح آپ کی "نہ" بھی شفقت اور نرمی کے ساتھ ہی ہو۔ لیکن بہر حال ...... دو ٹوک ہو۔

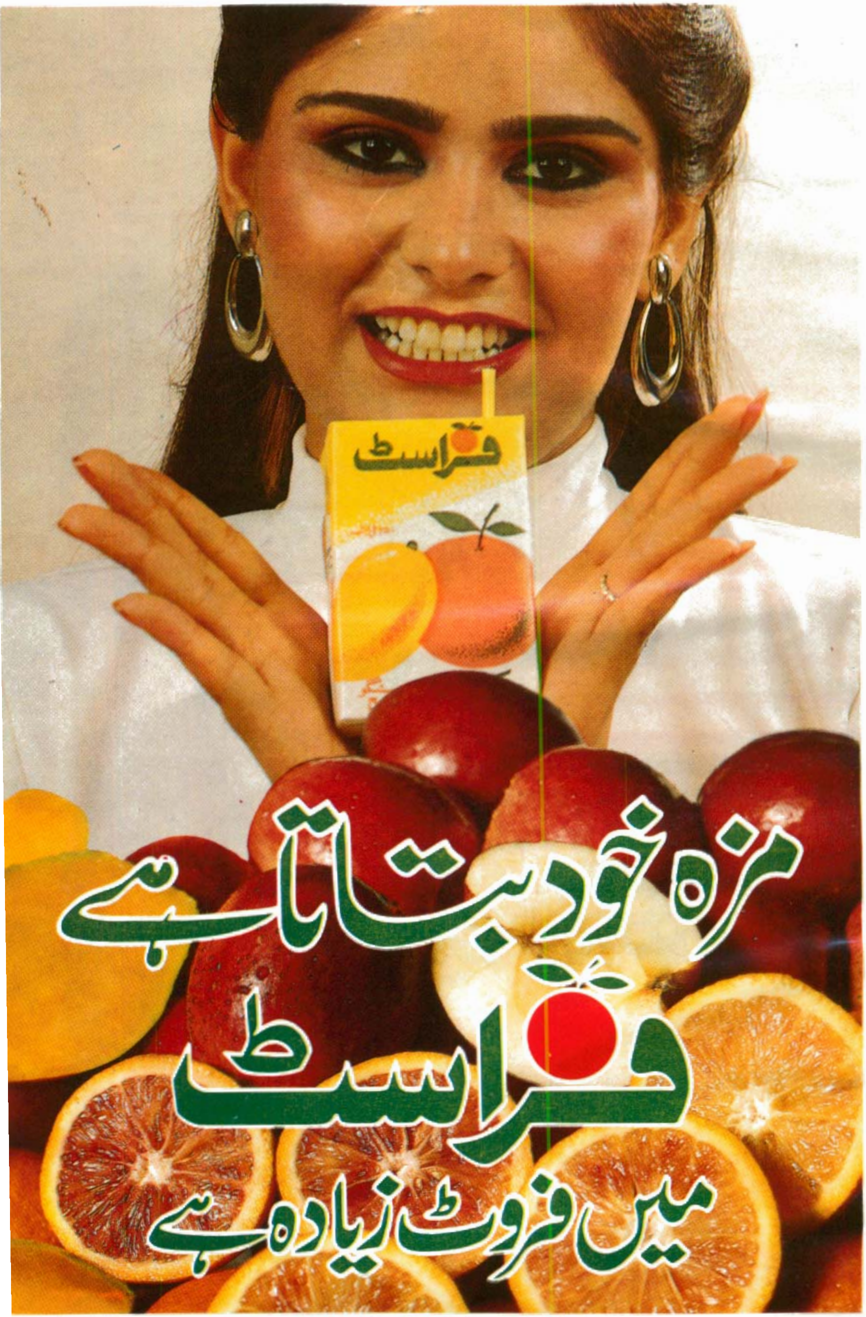
فراسٹ
مزہ خود بتاتا ہے
فراسٹ
میں فروٹ زیادہ ہے

Regd. No. M-266 MARCH 1988
Monthly AANKH MICHOLEE Karachi